جاری کردہ
سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ

ماہنامہ ترجمان القرآن

دسمبر ۱۹۹۹

مدیر

پروفیسر خورشید احمد

ماہنامہ ترجمان القرآن

جلد : ۱۲۶ ' عدد : ۱۲ ' دسمبر ۱۹۹۹ ' شعبان / رمضان ۱۴۲۰

مدیر: پروفیسر خورشید احمد

نائب مدیر: مسلم سجاد

ترتیب

ادارتی امور

منصورہ' ملتان روڈ' لاہور

فون : ۵۴۲۵۳۵۶

فیکس : ۷۸۳۲۱۹۴

E-mail: tarjuman@pol.com.pk

مدیر انتظامی

عبدالکریم

۵- اے' ذیلدار پارک' اچھرہ' لاہور

فون : ۷۵۸۷۹۱۶-۷۵۸۵۵۹۰

☆

قیمت فی شمارہ : ۱۵ روپے

زر سالانہ : ۱۵۰ روپے

بھارت ۳۰۰ روپے

بنگلہ دیش' ایران ۴۵۰ روپے

مشرق وسطیٰ' یورپ

مشرق بعید' افریقہ ۶۵۰ روپے

امریکہ' کینیڈا' آسٹریلیا ۹۰۰ روپے

تشبہ اور غلامانہ خصائل

تشبہ کا ایک اور پہلو بھی ہے جس کی بنا پر اسلام اس کا سخت مخالف ہے اور وہ یہ ہے کہ ایک قوم کے لوگ اپنی قومی خصوصیات کو صرف اسی وقت چھوڑتے ہیں جب ان کے اندر کوئی نفسی کمزوری اور اخلاقی ڈھیل پیدا ہو جاتی ہے۔ جو شخص دوسروں کا اثر قبول کر کے اپنا رنگ چھوڑ دے اور ان کے رنگ میں رنگ جائے، لامحالہ اس کے اندر تلون، چھچھورپن، سرعت انفعال اور خفیف الحرکتی کا مرض ضرور ہو گا۔ اگر اس کی روک تھام نہ کی جائے گی تو یہ مرض ترقی کرے گا۔ اگر بہ کثرت لوگوں میں یہ پھیل گیا تو ساری قوم نفسیاتی ضعف میں مبتلا ہو جائے گی۔ اس کے اخلاق میں کوئی پختگی باقی نہ رہے گی۔ اس کے ذہن کی چولیں اتنی ڈھیلی ہو جائیں گی کہ ان پر اخلاق اور خصائل کی مستحکم بنیادیں قائم ہی نہ ہو سکیں گی۔ لہٰذا اسلام کسی قوم کو بھی یہ اجازت دینے کے لیے تیار نہیں کہ وہ اپنے اندر اس نفسی بیماری کو پرورش کرے۔ مسلمانوں ہی کو نہیں، بلکہ جہاں اس کا بس چلتا ہے، وہ غیر مسلموں کو بھی اس سے بچانے کی کوشش کرتا ہے، کیونکہ وہ کسی انسان میں بھی اخلاقی کمزوری دیکھنا نہیں چاہتا۔

خصوصیت کے ساتھ مفتوح و مغلوب لوگوں میں یہ مرض زیادہ پھیلتا ہے۔ ان کے اندر محض اخلاقی ضعف ہی نہیں ہوتا بلکہ درحقیقت وہ اپنی نگاہوں میں آپ ذلیل ہو جاتے ہیں۔ اپنے آپ کو خود حقیر سمجھتے ہیں، اور اپنے حکمرانوں کی نقل اتار کر عزت اور فخر حاصل کرنا چاہتے ہیں کیونکہ عزت، شرافت، بندگی، تہذیب، شائستگی، غرض جس چیز کا بھی وہ تصور کرتے ہیں اس کا مثالی نمونہ انھیں اپنے آقاؤں ہی کی صورت میں نظر آتا ہے۔ غلامی ان کے جوہر آدمیت کو اس طرح کھا جاتی ہے کہ وہ علانیہ اپنی ذلت اور پستی کا مجسم اشتہار بننے پر آمادہ ہو جاتے ہیں اور اس میں شرم محسوس کرنے کے بجائے فخر محسوس کرتے ہیں۔ اسلام جو انسان کو پستیوں سے اٹھا کر بلندی کی طرف لے جانے آیا ہے، ایک لمحے کے لیے بھی اس کو جائز نہیں رکھتا کہ کوئی انسانی گروہ احتقار [تحقیر] نفس کے اس اسفل السافلین میں گر جائے جس سے نیچے پستی کا کوئی اور درجہ ہے ہی نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جب حضرت عمرؓ کے زمانے میں عجمی قومیں اسلامی حکومت کے زیر نگیں آئیں تو آپ نے ان کو سختی کے ساتھ اہل عرب کی نقالی سے روکا۔ اسلامی جہاد کا مقصد ہی باطل ہو جاتا، اگر ان قوموں میں غلامانہ خصائل پیدا ہوتے دیے جاتے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عربوں کو اسلام کا پرچم اس لیے نہیں دیا تھا کہ وہ قوموں کے آقا بنیں اور قومیں ان کے ماتحت غلامی کی مشق بہم پہنچائیں۔ (ابوالاعلیٰ مودودی، ''مغربی نیشنلزم اور فرنگی لباس''، ترجمان القرآن، جلد ۱۵، عدد ۴، شوال ۱۳۵۸ھ، دسمبر ۱۹۳۹ء، ص ۳۱۹-۳۲۰)۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اشارات

صحیح سمتِ سفر

آزاد خارجہ پالیسی ' معاشی خود انحصاری

پروفیسر خورشید احمد

جنرل پرویز مشرف کی سول ' ملٹری حکومت ابتدائی تشکیلی مراحل سے گزر کر اب کچھ واضح شکل اختیار کرتی جا رہی ہے۔ چیف ایگزیکٹو نے ملک اور ملک کے باہر متعدد پالیسی بیانات کے ذریعے اپنے مقاصد اور اہداف کو ایک حد تک متعین شکل میں پیش کر دیا ہے۔ نیز مرکز اور صوبوں میں نئی حکومت کے چہرے کے خدوخال بھی خاصی حد تک نمایاں ہو گئے ہیں۔ جلد بازی میں دیے گئے چند بیانات اور اقدامات کی بھی کسی نہ کسی درجہ میں توضیح اور تصحیح کی کوشش کی گئی ہے اور اب سرکاری موقف نسبتاً زیادہ احتیاط اور اعتماد سے پیش کیا جانے لگا ہے۔

اختیارات کے حصول کو چاہے ابھی چند ہفتے ہی ہوئے ہوں لیکن نئی قیادت میں اس کانٹوں سے بھری راہ کا کچھ نہ کچھ بہتر شعور پیدا ہونا بھی ایک فطری توقع ہے۔ پریس کی آزادی اور سیاسی سرگرمیوں کے مواقع نئے انتظام کو غلط راہوں پر بھٹکنے سے روکنے میں اور غیر ضروری تجربات کرنے سے بچانے میں بڑا اہم کردار ادا کر سکتے ہیں۔ بین الاقوامی دباؤ نہ صرف یہ کہ موجود ہے بلکہ ایک حد تک گھمبیر ہوتا جا رہا ہے اور اس بات کی ضرورت اور بھی بڑھ گئی ہے کہ قومی سطح پر کھلی بحث و گفتگو کے ذریعے ملک اور اس کی قیادت کو قومی مقاصد کے حصول کے راستے پر قائم رہنے اور چلنے کے لیے مشورے ' رہنمائی اور احتساب کے عمل کو زندہ رکھا جائے ' تاکہ نئی ٹیم تجربے کی کمی یا بیرونی دباؤ کے تحت کوئی غلط اقدام نہ کر ڈالے۔

جنرل پرویز مشرف اور ان کی ٹیم کو اصلاح احوال کا ایک نادر موقع ملا ہے۔ قوم نے بحیثیت مجموعی ۱۲ اکتوبر کے اقدام کا خیر مقدم کیا ہے اور بیرونی قوتوں کی آتش نوائی اور روایتی مراکز قوت کی سردمہری کے

باوجود ملک کے عوام' بیرون ملک پاکستانیوں اور بڑی حد تک دنیا بھر کے مسلمان عوام نے نئی قیادت کے لیے کلمہ خیر کہا ہے۔ اس کی بڑی وجہ ایک تو پچھلی حکومتوں کی مجرمانہ کارگزاریاں اور ناقابل معافی ناکامیاں ہیں تو دوسری طرف فوج کے بارے میں حسن ظن اور چیف ایگزیکٹو کے بیانات میں ان مسائل اور اہداف کا اعلان و اظہار ہے جو دراصل اس وقت پاکستانی قوم کا بالخصوص اور امت مسلمہ کا بالعموم حقیقی ایجنڈا ہیں۔ نیز جس اخلاقی اور سیاسی اعتبار سے گھناؤنے کھیل نے فوجی قیادت کو ۱۲ اکتوبر کو فوری اقدام کے لیے مجبور کیا وہ بھی رائے عامہ کو اس کے حق میں استوار کرنے کا سبب بنا ہے۔

ان تمام عوامل نے مل کر نئی قیادت کے لیے گھر کو سنوارنے' عوام کے دکھوں کا مداوا کرنے اور ملت اسلامیہ پاکستان کے تاریخی عزائم کو بروئے کار لانے کے لیے بڑا سازگار ماحول پیدا کر دیا ہے۔ یہ ایک ایسا ہی موقع ہے جیسا ۱۹۴۷ میں حصول آزادی کے بعد بڑے خوش گوار ماحول میں اور ۱۹۷۲ میں مشرقی پاکستان کھو دینے اور بھارت سے شکست کھانے کے بعد بڑے ناخوش گوار حالات میں تعمیرنو کے لیے اس وقت کی قیادتوں کو حاصل ہوا تھا۔ بدقسمتی سے قائداعظمؒ کی وفات اور مسلم لیگ کی قیادت پر مفاد پرست سول' ملٹری اور سیاسی عناصر کے قبضے نے اولین دور میں' اور جناب ذوالفقار علی بھٹو کی ہوس اقتدار اور بیرونی نظریات سے عشق نے دوسرے دور میں اصلاح اور تشکیل جدید کے تمام امکانات کو معدوم کر دیا۔ آج پھر قوم ماضی کی سول اور ملٹری حکومتوں سے مایوس ہو کر مایوسی' گھٹن اور انتشار کا شکار ہو چکی تھی کہ حالات نے ایک ایسی کروٹ لی جس نے فوجی قیادت کو میدان میں قدم رکھنے پر مجبور کر دیا۔ ہم سمجھتے ہیں اگر نئی قیادت وقت کے تقاضوں اور قوم کی اصل امنگوں اور ضرورتوں کا صحیح ادراک کر لیتی ہے تو ملک کی گاڑی کو کامیابی کے ساتھ پٹڑی پر ڈالا جا سکتا ہے۔ لیکن یہ مقصد نہ آپ سے آپ حاصل ہو سکتا ہے اور نہ اس منزل کی طرف پیش قدمی ذہنی تحفظات' بے اعتمادی' عدم مشاورت اور بیرونی دباؤ کے تحت ممکن ہے۔ اس لیے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ پوری دیانت داری کے ساتھ اور الدین نصیحة (دین نام ہی خیرخواہی اور صحیح مشورے کا ہے) کے اسلامی حکم کے جذبے کے تحت چند باتیں قوم اور اس کی قیادت کے سامنے واضح طور پر رکھ دی جائیں--- وما علینا الا البلاغ۔

سب سے پہلی بات یہ ہے کہ مسلمان کی قوت کا اصل سرچشمہ صرف اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کے دین اور امت مسلمہ سے وفاداری کا تعلق ہے۔ اقبال نے ہماری پوری تاریخ کو ایک جملہ میں بیان کر دیا ہے: "میں نے اپنی تاریخ کے مطالعہ سے ایک ہی سبق سیکھا ہے اور وہ یہ کہ مسلمانوں نے اسلام کا تحفظ نہیں کیا' یہ اسلام ہے جس نے مسلمانوں کو ہمیشہ بچایا اور محفوظ و مامون رکھا ہے"۔

اس وقت ملک پر اور خصوصیت سے نئی قیادت پر تین بڑے بڑے دباؤ (pressures) ہیں۔ ایک

بین الاقوامی سیاسی دباؤ جو امریکہ کے عالمی عزائم اور منصوبوں کا حصہ ہے۔ وہ پاکستان کو ایک ایٹمی قوت سے آراستہ مضبوط اسلامی ملک کی حیثیت سے ابھرتا دیکھنا نہیں چاہتا۔ دوسرا معاشی دباؤ جو ماضی کی معاشی پالیسیوں کا نتیجہ ہے مگر جس نے بیرونی دباؤ کے مقابلے میں ملک کی قوت برداشت کو بری طرح متاثر کیا ہے۔ اور تیسرے ملک کے اندر وہ اقلیتی مگر بہت متحرک اور فعال لابیز (lobbies) جو عوام کے ایمان، جذبات اور عزائم کے مقابلے میں محدود سیکولر اہداف یا عالمی ایجنسیوں کے لیے کام کر رہی ہیں۔ جو خود ملک کی فوج کو بھی ایک مضبوط جہادی قوت نہیں دیکھنا چاہتیں بلکہ طرح طرح سے ایسے راستے دکھاتی ہیں کہ فوج ایمان، تقویٰ اور جہاد فی سبیل اللہ کے موٹو (motto) سے ہٹ جائے اور فوج اور عوام میں یک رنگی و ہم آہنگی باقی نہ رہے۔

ان تینوں رجحانات کا صحیح ادراک اور ان کا مقابلہ کرنے کے لیے پوری یکسوئی کے ساتھ اللہ پر بھروسا، دین حق سے وابستگی اور وفاداری اور مسلمان عوام کی طاقت کو منظم اور متحرک کرنا وقت کی ضرورت ہے۔

ہمیں خوشی ہے کہ نئی قیادت نے صاف الفاظ میں یہ اعلان کر دیا ہے کہ قرارداد مقاصد قومی سلامتی کا اصل محور اور مرکز ہے۔ پالیسی سازی کے لیے قرآن و سنت سرچشمہ ہدایت ہوں گے اور پاکستان کی منزل اور ہدف کا وہ تصور ہو گا جو علامہ اقبالؒ اور قائداعظمؒ نے پیش کیا تھا اور جس پر پاک و ہند کے مسلمانوں نے تحریک پاکستان کی حمایت کی تھی۔ یہی آج بھی پاکستان کے مسلمانوں کی اصل منزل اور ان کی امیدوں کا مرکز ہے۔ اس بارے میں مکمل یکسوئی ہونی چاہیے اور ہر نوع کی ژولیدہ فکری، تضاد بیانی اور ذہنی تحفظات کا دروازہ بند ہونا چاہیے۔ اسلام کے دائرے میں بے پناہ آزادی فکر و عمل ہے اور اسلام بہترین شورائی اور فلاحی نظام کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔ مسلم امت کو نہ کسی دوسرے نظام اور نظریے کی ضرورت ہے اور نہ یہاں کوئی اور کلمہ چل سکتا ہے۔ اس پہلو سے نئی بحثیں شروع کرنا، فتنہ و فساد کا ذریعہ بن سکتا ہے جو بہت نقصان کا سودا ہو گا۔ اس لیے بحث کا یہ باب بند ہونا چاہیے اور ساری توجہ اسلام کے اصولوں کے مطابق اور اقبال اور قائداعظم کے قوم سے عہد و پیمان کی روشنی میں صحت مند پالیسیوں کی تشکیل اور ان پر خلوص اور محنت سے عمل پر مرکوز ہونی چاہیے۔

اقبال نے بہت واضح انداز میں کہا تھا کہ:

سروری زیبا فقط اس ذات بے ہمتا کو ہے
حکمراں ہے اک وہی باقی بتان آزری

اور یہ کہ

قوت عشق سے ہر پست کو بالا کر دے
دہر میں اسم محمدؐ سے اجالا کر دے

اور

قرآن میں ہو غوطہ زن اے مرد مسلماں
اللہ کرے تجھ کو عطا جدت کردار

۱۹۳۷ میں قائداعظم کے نام اپنے خط میں انھوں نے لکھا تھا:

اسلامی قوانین کے گہرے مطالعے کے بعد میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ اگر اس قانون کو اچھی طرح سمجھا جائے اور اس پر عمل کیا جائے تو کم از کم ہر شخص کے لیے روزی کا حق محفوظ ہو جاتا ہے لیکن اس ملک میں جب تک ایک مسلم ریاست کا قیام نہ ہو' اسلامی شریعت کا نفاذ ممکن نہیں۔

قائداعظم نے بھی صاف لفظوں میں کہا تھا: "پاکستان کا قیام' منزل نہیں ایک ذریعہ ہے--- اصل منزل اسلامی نظریہ ہے"۔ قائداعظم کے ۱۹۳۷ سے ۱۹۴۸ تک ایک نہیں تقریباً دو سو بیانات موجود ہیں جن میں اس منزل کی واضح نشان دہی کی گئی ہے۔ جناب شریف الدین پیرزادہ نے اپنے ایک انٹرویو میں اس سلسلے کے سارے اعتراضات اور شبہات کا مدلل جواب دیا ہے اور صاف کہا ہے کہ قائداعظم آخری لمحے تک اس موقف پر قائم تھے کہ پاکستان کی تعمیر اسلامی اصولوں کی روشنی میں ہونی چاہیے اور یہ کہ پاکستان کو اسلامی دنیا کے لیے ہی نہیں' پوری تیسری دنیا کے لیے نمونہ ہونا چاہیے اور یہ نمونہ جس ماڈل پر قائم ہو گا' وہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا طرز حکومت ہے۔ حتیٰ کہ مصطفیٰ کمال کے سلسلے میں بھی قائداعظم نے ایک ترک وفد کے سامنے خود مصطفیٰ کمال کا بیان پیش کیا تھا کہ ترکی پہلی جنگ عظیم کے بعد اپنی کمزوری کی وجہ سے سیکولرزم قبول کرنے پر مجبور ہوا تھا اور فلسطین میں اسرائیلی ریاست کے قیام کی کوششوں کا ذکر کرتے ہوئے اپنی موت سے کچھ ہی قبل مصطفیٰ کمال نے کہا تھا کہ اگر ایسا ہوا تو وہ خود صلاح الدین ایوبی کی طرح اس کے خلاف جنگ کریں گے (شریف الدین پیرزادہ کا انٹرویو امپیکٹ انٹرنیشنل ' لندن' اگست ۱۹۹۵)

دوسری بنیادی بات یہ ہے کہ اللہ کے بھروسے اور اسلام سے قوت حاصل کرنے کے ساتھ ہماری دوسری ترجیح عوام کا اعتماد' ان کے جذبات و احساسات کا پاس' ان کے مسائل اور مشکلات کے حل کی فکر' ان کے عزائم اور تمناؤں کا احترام اور انھیں منظم و متحرک کرنا ہونی چاہیے۔ یہ ملک ۱۴ کروڑ مسلمانوں کا ملک ہے' چند باحیثیت جاگیرداروں' سرمایہ داروں اور بیورو کریٹس کا نہیں۔ اگر خدا کی خوش نودی کے بعد اور اس کے تحت کسی اور کی خوشنودی مطلوب ہے تو وہ عوام کی ہے۔ بااثر طبقات یا بیرونی طاقتوں کی نہیں۔ اس وقت فوج کی وحدت اور امت پاکستان کی وحدت اور ان دونوں کے درمیان مکمل ہم آہنگی دنیاوی اعتبار سے ہماری قوت کا سب سے اہم سرچشمہ ہے۔ دونوں کے اتحاد اور ہم آہنگی کو قائم رکھنے ہی

میں ملکی ترقی اور ملی استحکام کا راز پوشیدہ ہے۔ مخالفین کی کوشش ہوگی کہ عوام کے درمیان اختلافات رونما ہوں' فوج میں بھی دراڑیں پڑیں' اور فوج اور عوام کے درمیان ہم آہنگی اور یک رنگی ختم ہو۔ ہمیں ڈر ہے کہ حکومت کے ناتجربہ کار افراد بھی اس سلسلے میں ایسی غلطیاں کر سکتے ہیں کہ نئی قیادت اس جال میں پھنس جائے۔ اس لیے ہم بروقت متنبہ کرنا چاہتے ہیں کہ عوام کا اعتماد اور عوام اور فوج کی ہم آہنگی ضروری ہے اور یہ اسی وقت ممکن ہے جب عوام پر اعتماد کیا جائے' انھیں مشورے میں شریک کیا جائے' ان کی مشکلات' مسائل اور جذبات اور احساسات کو سمجھا جائے' ان سے ربط رکھا جائے۔ خود اپنی قوم سے ربط' اپنے عوام کے دل میں اتر کر ان کو سمجھنا اور ان کو ساتھ لے کر چلنا' بیرونی دوروں سے کہیں زیادہ ضروری ہے۔ دورے کافی ہو چکے اور اگر بہت ہی ضروری ہو تو کم سے کم وقت صرف کر کے اہم ممالک (مثلاً چین اور ایران) کا دورہ کر لیا جائے' لیکن اصل میدان پاکستان ہے' اصل قوت پاکستانی عوام ہیں' اصل کامیابی ان کی خوش نودی' تائید اور خدمت ہے۔ ترجیحات میں یہ تبدیلی وقت کی اہم ترین ضرورت ہے۔

عوام کی تائید و تعاون کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ چند چیزوں کا مکمل احترام کیا جائے یعنی:

۱۔ اسلام اور قومی اہداف کے بارے میں کوئی غیر ضروری بحث نہ شروع کی جائے۔ اصل ضرورت اسلام پر بحث کی نہیں' عمل کی ہے۔ اس طرف قدم اٹھائیں۔

۲۔ احتساب کے عمل کو بے لاگ اور شفاف ہونا چاہیے اور کسی کے ساتھ بھی ناانصافی نہیں ہونی چاہیے' لیکن یہ بھی ضروری ہے کہ ان تمام عناصر کو خواہ وہ کتنے ہی مضبوط اور چالاک کیوں نہ ہوں' جو ملک کو لوٹنے اور اس کی بنیادیں کھوکھلی کرنے کے ذمہ دار ہیں' کم سے کم وقت میں کیفر کردار تک پہنچایا جائے۔ یہ عوام کے دل کی آواز ہے۔

۳۔ ملک میں ظلم' ناانصافی' لاقانونیت' لوٹ کھسوٹ اور حق تلفی کا ایک ظالمانہ شیطانی نظام اوپر سے نیچے تک قائم ہو چکا ہے' اسے بڑی حکمت کے ساتھ اور بزور طاقت ہی ختم کیا جا سکتا ہے۔ تمام قوت اداروں کو مضبوط کرنے اور تمام افراد کو قانون کے تابع بنانے میں لگائی جائے اور جواب دہی' کھلی حکمرانی اور خدمت کے کلچر کو عام کرنا چاہیے۔ اس کی مثال اوپر سے قائم ہو لیکن اسے ہر سطح پر بروئے کار لانا چاہیے۔ اس سلسلے میں آغاز کی ضرورت ہے' پھر یہ عمل خود آگے بڑھے گا' لیکن بارش کا پہلا قطرہ جلد برسنا چاہیے' تب ہی حبس کی یہ فضا ختم ہو سکے گی۔

۴۔ عوام کے حقوق' پریس اور الیکٹرانک میڈیا کی آزادی' نیچے کی سطح تک اختیارات کی نیچے کی سطحوں کی طرف جلد منتقلی اور تعلیم' خوراک' صحت کی سہولتوں کے انتظام کی طرف توجہ دی جائے اور پوری انتظامی مشینری کو ان خدمات کی فراہمی کے لیے سرگرم عمل کیا جائے تاکہ

لوگوں کو فرق نظر آسکے۔

۵۔ معیشت کی اصلاح کے لیے دل کڑا کر کے ایک بنیادی تبدیلی کا فیصلہ کر لیا جائے اور وہ ہے خود انحصاری۔ اس سلسلے میں زبانی کلامی تو بہت کچھ ہوا ہے مگر ۱۹۵۵ سے آج تک ساری پالیسی سازی کا رخ بیرونی امداد، قرضوں اور سرمائے کے حصول کی طرف رہا ہے جس نے ہماری معیشت محکومی کے ایک نظام جبر میں جکڑ دیا ہے۔ اس زنجیرید (vicious circle) کو ٹوٹنا چاہیے۔ یہ کام جادو کی چھڑی سے نہیں ہو سکتا۔

۶۔ نظام انتخاب کی اصلاح اور دستور کی دفعہ ۶۲، ۶۳ پر عمل کے لیے مناسب نظام کار کی تیاری اور اس کے مطابق نئے انتخابات کا انعقاد۔

یہ وہ کم سے کم اقدامات ہیں جو عوام کے اعتماد کے حصول اور ان کو نظام حکمرانی میں شریک کرنے اور موثر قوت بنانے کے لیے ضروری ہیں۔ ہم یہ بھی کہنا چاہتے ہیں کہ موجودہ حکمرانوں کو دستور میں کسی ترمیم کے چکر میں نہیں پڑنا چاہیے۔ اسی دستور کے تحت سارے کام ہو سکتے ہیں۔ اگر کسی دستوری ترمیم کی ضرورت ہے بھی، تو اسے عوام ہی دستوری ترمیم کے طریقے کے مطابق، مستقبل کے انتخابات کے بعد کریں۔ اس سے پہلے دستور میں ترمیم یا دستور کی تشکیل جدید کا دروازہ کھولنا بڑے فتنے کا باعث ہو گا جس سے احتراز ضروری ہے۔

تیسری بنیادی بات، جس پر مکمل یکسوئی کی ضرورت ہے، بیرونی طاقتوں سے تعلق اور ان پر انحصار سے متعلق ہے۔ آج کی دنیا میں ہر ملک کو دوستوں کی ضرورت ہے اور کوئی بھی مکمل تنہائی (isolation) کو لمبے عرصے تک برداشت نہیں کر سکتا۔ پاکستان بھی سب سے دوستی چاہتا ہے لیکن یہ دوستی پاکستان کی سلامتی اور اس کے بنیادی مفادات کے تحفظ کے فریم ورک میں ہی ہو سکتی ہے۔ بدقسمتی سے پاکستان کی خارجہ پالیسی ایک مدت سے امریکہ اور اس کے مفادات کی یرغمال (hostage) بن چکی ہے اور معاشی پالیسی بھی ایسے خطوط پر چلائی گئی کہ امریکہ کی گرفت معیشت اور خارجہ پالیسی دونوں پر سخت ہوتی چلی گئی۔ اب وقت آگیا ہے کہ اس سلسلے میں بھی بنیادی فیصلہ کر لیا جائے۔ مقصد کسی ملک سے بھی ٹکراؤ یا تناؤ (tension) کی فضا قائم رکھنا نہیں۔ لیکن ضروری ہے کہ اپنی سیاسی، معاشی اور تہذیبی آزادی کے تحفظ کے لیے ہم ایسی خارجہ پالیسی تشکیل دیں جو ایک طرف معروضی حقائق پر مبنی ہو، تو دوسری طرف ہمارے قومی مقاصد اور مفادات کی محافظ اور امین ہو۔

پاکستان کے بارے میں امریکہ، دولت مشترکہ اور یورپی اقوام نے اس وقت جو منفی مرویہ اس وقت اختیار کر رکھا ہے اس نے اہل پاکستان کو ایک تاریخی موقع فراہم کیا ہے۔ دوست اور غیر دوست کھل کر

سامنے آگئے ہیں۔ غلط فہمیوں اور خیالی مفروضوں سے دامن چھڑانے کا وقت آگیا ہے۔ پاکستان ایک ایٹمی قوت ہے اور اگر ہم اپنی معیشت کو بین الاقوامی گرفت سے آزاد کر لیتے ہیں تو ہمارے لیے خارجہ پالیسی کو آزاد انداز میں مرتب کرنے اور چلانے کے غیر معمولی امکانات پیدا ہو جاتے ہیں۔ مسلمان عوام ہمارے سب سے سچے دوست ہیں اور جن ممالک میں حکومتیں بیرونی اثرات کے تحت ہیں' وہاں بھی مسلمان عوام پاکستان کے لیے محبت رکھتے ہیں۔ اگر ہماری خارجہ پالیسی میں عوام کی تائید کا حصول ایک اہم ہدف ہو تو وہاں کی حکومتیں بھی اس اندرونی دباؤ کو نظرانداز نہیں کر سکتیں۔ بدقسمتی سے جو "بابو" خارجہ پالیسی بنانے کے ذمہ دار رہے ہیں' وہ خارجہ سیاست سے اس انقلابی پہلو کا ادراک ہی نہیں کر سکتے۔ جنرل پرویز مشرف کے حالیہ دورہ ترکی میں یہ پہلو بہت کھل کر سامنے آیا۔ ترک عوام پاکستان کے ساتھ ہیں لیکن ہمارے پالیسی ساز وقتاً فوقتاً ایسی حماقت کرتے رہتے ہیں جو عوام کی توقعات پر پانی پھیر دیتی ہے۔ ترکش ڈیلی نیوز کے ۱۰ اور ۱۱ نومبر کے شماروں میں اس روزنامے کے نمایندے کی رپورٹ اور اداریے کا مطالعہ کیا جائے تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے سفارت کار زمینی حقائق سے کتنے ناواقف اور مسلمان امت کے احساسات اور عزائم سے کتنے ناآشنا ہیں اور محض اپنی ناحقیقت پسندی کی وجہ سے کیسے کیسے زریں مواقع کو ضائع کر رہے ہیں۔ خارجہ پالیسی کی سمت بدلے بغیر ہم عالمی غلامی کے نئے جال سے نہیں نکل سکتے۔

امریکہ کے بارے میں بھی واضح سوچ (clear thinking) کی ازحد ضرورت ہے۔ امریکہ کے عالمی مقاصد اور ہمارے قومی مقاصد اس وقت ہم آہنگ نہیں۔ ویسے وہ کبھی بھی ہم آہنگ نہ تھے اور امریکہ نے ہمیشہ اپنے مفاد کے لیے ہمیں استعمال کیا ہے۔ جب بھی آزمایش کی کوئی گھڑی آئی' اس نے پاکستان کے مفادات کو زک پہنچائی' لیکن اب تو بات اتنی واضح ہے کہ خارجہ تعلقات کی نئی بنیادوں کو استوار کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں۔

حال ہی میں جو امریکی دستاویزات شائع ہوئی ہیں' اور ان میں روئیداد خان کی مرتب کردہ کتاب The American Papers: Secret and Confidential, India Pakistan Bangla Desh Documents 1965-1973 (آکسفورڈ یونی ورسٹی پریس' ۱۹۹۹) کا مطالعہ بہت چشم کشا ہے۔ اس میں ڈین رسک سے لے کر ولیم روجر تک ہر امریکی سیکرٹری آف اسٹیٹ نے' بھارت کو امریکہ کے مفاد میں سب سے اہم ملک قرار دیا ہے اور صاف کہا ہے کہ جب بھی ہمیں پاکستان اور بھارت میں کسی ایک کو ترجیح دینا پڑے تو وہ بھارت ہونا چاہیے۔ اور یہ وہ زمانہ ہے جب ہماری امریکہ سے خصوصی دوستی (special relationship) تھی' سرد جنگ کی وجہ سے ہم اس کے لیے ناگزیر تھے اور بھارت روس کا حلیف تھا! اب تو دنیا کے حالات بالکل بدل گئے ہیں اور امریکہ کی ترجیحات مزید واضح ہو گئی ہیں۔ بھارت کی متعصب ہندو حکومت (بی جے پی) لبرل اور جمہوری حلیف ہے اور پاکستان کو ایک بنیاد پرست اور تشدد کی

سرپرست حکومت قرار دینے کی باتیں ہو رہی ہیں، اور ہماری خارجہ پالیسی ہے کہ اس میں اب بھی امریکہ پر انحصار کے چنگل سے نکلنے پر غور بھی نہیں کیا جا رہا ہے۔

حالات بدل چکے ہیں اور بدلے ہوئے حالات میں ہمیں بھی حقیقت پسندی کی بنیاد پر نئی خارجہ پالیسی مرتب کرنا ہو گی۔ اس کی بنیاد خود انحصاری، ملت اسلامیہ کا اتحاد، علاقائی نظاموں کی مضبوطی، عوام کی بیداری اور ان کا تحرک (moblization) پر ہونا چاہیے۔ معاشی میدان میں مغرب کی بالادستی پر مبنی عالم گیریت (globalisation) کے مقابلے میں، پاکستان اور امت مسلمہ کی اجتماعی خود انحصاری کو ترجیح دینا چاہیے۔ نئے خطوط پر خارجہ پالیسی کی تشکیل کے لیے یہ وقت غنیمت ہے۔ دیر ہو چکی ہے مگر مزید تاخیر بے حد خطرناک ہو گی۔ اس کے لیے گہرے سوچ بچار کی ضرورت ہے تاکہ نئے دروبست کی تشکیل ممکن ہو سکے۔ یہاں بھی اقبالؒ اور قائداعظمؒ کے خیالات سے بڑی رہنمائی ملتی ہے۔ اقبالؒ نے کہا تھا:

اپنی دنیا آپ پیدا کر اگر زندوں میں ہے
سرِ آدم ہے ضمیرِ کن فکاں ہے زندگی

مغرب کے بارے میں اقبال کا ذہن کتنا صاف تھا:

پیرِ مغاں فرنگ کی مے کا نشاط ہے اثر
اس میں وہ کیفِ غم نہیں، مجھ کو تو خانہ ساز دے

نیز

یہ زائرانِ حریمِ مغرب ہزار رہبر بنیں ہمارے
ہمیں بھلا ان سے واسطہ کیا، جو تجھ سے ناآشنا رہے ہیں

اقبال نے ہماری حالت زار کا کتنا صحیح نقشہ کھینچا ہے:

پانی پانی کر گئی مجھ کو قلندر کی یہ بات
تو جھکا جب غیر کے آگے نہ تن تیرا نہ من

اور معاشی محتاجی کے باب میں بھی اس کی تنبیہہ کتنی صحیح تھی:

اے طائرِ لاہوتی اس رزق سے موت اچھی
جس رزق سے آتی ہو پرواز میں کوتاہی

اب ہم جس مقام تک پہنچ چکے ہیں اس کے بعد معاشی خود انحصاری اور آزاد خارجہ پالیسی کے سوا کوئی راستہ باقی نہیں رہا ہے۔ وقت آگیا ہے کہ اس بارے میں حکومت اور قوم یکسو ہو اور جو قیمت بھی ادا کرنی پڑے، سوچ سمجھ کر بہ خوشی ادا کی جائے، پورے ایمان اور شعور کے ساتھ اپنی راہ خود طے کی جائے۔

حالات کا جائزہ جس پہلو سے بھی لیں' بات بالآخر معیشت کی حالت زار پر آ جاتی ہے۔ کچھ کوتاہ نظر معاشی تباہی کا ہوّا دکھا کر مزید محکومی اور کاسہ گدائی کی گردش نو کا نسخہ تجویز کرتے ہیں۔ ہماری نگاہ میں یہ تباہی سے بچنے کا نہیں' خودکشی اور مکمل تباہی کا راستہ ہے۔ اس لیے ہم چاہتے ہیں کہ اس بات کو بھی نئی قیادت کے سامنے بالکل صاف الفاظ میں رکھ دیں کہ معاشی حکمت عملی کو یکسر تبدیل کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں۔

پہلے چند بنیادی حقائق ذہن میں تازہ کر لیں:

گذشتہ تیرہ سال سے بنیادی صنعتوں اور معاشی انفراسٹرکچر میں کوئی نمایاں اضافہ نہیں ہوا' بلکہ بیمار صنعتوں کی تعداد ہر سال بڑھ رہی ہے۔ سرکاری شعبے کا کردار سکڑ بھی رہا ہے اور خسارے کا بھی شکار ہے۔ زراعت نے معیشت کو سہارا دے رکھا ہے مگر زراعت خود بحران کا شکار ہے اور اس وقت خوراک اور اشیائے خوردنی کے باب میں تقریباً ۲ ارب ڈالر سالانہ کی درآمدات کرنا پڑ رہی ہیں۔ تیل کے سلسلے بس اچھی پیش رفت کے بعد پھر رجعت قہقری شروع ہو گئی اور ایک تہائی ملکی ضرورت کے لیے خود کفالت حاصل کرنے کے بعد پھر ہم پیچھے رہ گئے ہیں اور اس وقت ایک ارب ڈالر سالانہ سے زیادہ کا تیل درآمد کیا جا رہا ہے۔ برآمدات بار بار کی تخفیف قدر کے باوجود بڑھ نہیں سکی ہیں اور اب تو چار سال سے تقریباً ۸ ارب ڈالر سالانہ پر آکر رک سی گئی ہیں جس کے نتیجے میں تجارتی خسارہ بڑھ رہا ہے۔ بیرونی قرضوں کا بار ہمالیہ صفت ہوتا جا رہا ہے اور ستم یہ ہے کہ ایک مدت سے نئے قرض صرف اس ضرورت کے تحت لیے جا رہے ہیں کہ پرانے قرضوں کو ادا کر دیا جائے۔ بیرونی قرضے اس وقت ۳۲ ارب ڈالر سے متجاوز ہیں اور اگر متوقع قرضوں اور دوسری ذمہ داریوں (liabilities) کو شامل کیا جائے تو یہ بوجھ ۴۲ ارب ڈالر تک پہنچ جاتا ہے۔ اس سال صرف بیرونی اور ملکی قرضے واپس کرنے کی ادائیگی کی مد میں جو رقم صرف کی جا رہی ہے وہ ۳۰۰ ارب روپے سے متجاوز ہے' جو مرکزی آمدنی کے ۶۰ فی صد کے قریب ہے۔ اگر دفاع کے اخراجات کو جو اس خرچ کا نصف ہیں' شامل کر لیا جائے تو کل آمدنی کا ۹۰ فی صد صرف سود کی نذر اور دفاع پر صرف ہو جاتا ہے۔ پھر انتظامی اخراجات اور ترقیاتی منصوبوں کے لیے وسائل باقی ہی کہاں رہتے ہیں جو ملکی ترقی کی گاڑی آگے بڑھے! اس پر مستزاد کرپشن' کمیشن اور قرض نادہندگی ہے۔ جو تھوڑی بہت رقم تعلیم اور سماجی ترقی کی مد میں خرچ کرنے کے لیے رکھی جاتی ہے' اس کا بھی ایک بڑا حصہ نااہلی' اقربا پروری اور غیر ذمہ داری کی نذر ہو جاتا ہے اور عوام اس کے فائدوں سے محروم ہی رہ جاتے ہیں۔

ان حالات میں اگر کچھ نئے قرضے لے بھی آئیں یا چند سرمایہ کاروں کو غیر معمولی سہولتیں دیں (جیسا کہ IPP یا ڈائیوو کے سلسلے میں کیا گیا) تو کیا حاصل ہو گا؟

صاف نظر آتا ہے کہ جو کچھ اب تک ہوتا رہا ہے' اس کا کسی نئی شکل میں جاری رہنا ہمارے مسائل کا

حل نہیں۔ اسی عطار کی دوا (more of the same) کی اب کوئی گنجایش نہیں۔ بنیادی تبدیلی کے بغیر اس گرداب سے نہیں نکلا جا سکتا۔۔۔ پھر راستہ کیا ہو؟

۱۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ پاکستان کی معیشت کا اس وقت تقریباً ۴۰ فی صد غیر رسمی معیشت (informal economy) کی صورت میں ہے جس کا شمار بڑی حد تک قومی پیداوار میں ہوتا ہی نہیں۔ یہ غیر رسمی معیشت ہماری دولت اور قیمتی اثاثے ہیں، ان کی وجہ سے ملک مکمل تباہی سے بچ گیا ہے اور عوام فقروفاقہ کا شکار نہیں ہوئے۔ یہ ہماری قوت کا سرچشمہ ہے۔ اسے دستاویزبندی (documentation) کے نام پر تباہ نہ کیا جائے بلکہ سوچا جائے کہ اسے کیونکر مستحکم کیا جا سکتا ہے۔ حکومت کا کام محض ٹیکس وصول کرنا نہیں، ملک میں معاشی سرگرمی کو فروغ دینا ہے جس سے روزگار پیدا ہو، ضرورت کی اشیا اور خدمات کی پیداوار اور فراہمی ہو، اور عوام اپنی ضروریات پوری کر سکیں۔ صنعتی سیکٹر میں بھی، بڑی صنعت کی پیداوار کی شرح میں اضافہ گذشتہ ۱۵ سال سے چھوٹی صنعت کی پیداوار کی شرح اضافہ سے نصف یا اس سے بھی کم رہا ہے۔ لطف یہ ہے کہ چھوٹی صنعت کی پیداوار کی شرح جاننے کا کوئی سائنسی طریقہ نہیں، اسے بڑی حد تک فرض (assume) کیا جاتا ہے۔ لیکن یہ ایک حقیقت ہے کہ چھوٹی صنعت ہی نے ملکی معیشت کو زندہ رکھا ہوا ہے اور اگر اسے صحیح محرکات فراہم کیے جائیں تو ملک نہ صرف خود کفالت بلکہ برآمدات میں اضافے کی طرف بڑھ سکتا ہے۔ بھارت میں اس وقت اس کی کل برآمدات میں چھوٹی صنعت کا حصہ تقریباً ۲۰ فی صد ہے جب کہ ہمارے یہاں یہ دو چار فی صد سے زیادہ نہیں۔ چھوٹی صنعت اور غیر رسمی معیشت کی ترقی ایک اہم ترجیح ہونی چاہیے۔

۲۔ زراعت مسلسل غفلت کا شکار رہی ہے۔ جاگیرداری اور بڑی زمین داری آج بھی مسلط ہے اور تقریباً ۶ ہزار خاندان کل زیر کاشت رقبہ کے ۴۰ فی صد پر قابض ہیں۔ زرعی inputs کے باب میں دوبارہ حصول (retrieval) کی کوئی پالیسی نہیں۔ زرعی بیج کی قیمت اس شے کی زرعی پیداوار سے ۴ گنا زیادہ ہے۔ پانی کی فراہمی کا نظام درہم برہم ہے۔ بھارت میں پنجاب اور ہریانہ کی زمینوں سے فی ایکڑ پیداوار ہمارے پنجاب اور سندھ کی پیداوار سے ۴ گنا زیادہ ہے۔ زمین اور کاشت کار کی محنت میں فرق نہیں، لیکن پالیسی، سہولتوں اور محرکات کے فرق نے اتنا فرق کر دیا ہے۔ ہم زراعت میں ۲، ۳ سال میں خودکفیل ہو سکتے ہیں لیکن آج ہماری کل درآمدات کا ۲۰ فی صد زرعی اجناس پر مشتمل ہے۔ ایک طرف عام کاشت کار ہے جس کو اپنے اخراجات پورے کرنا مشکل ہو گیا ہے اور دوسری طرف ایک مخصوص طبقہ ہے جو نہ صرف عیش و عشرت میں مگن ہے بلکہ ظلم اور ناانصافی کے نظام کا پشتی بان بھی ہے۔ بنیادی زرعی اصلاحات اور نئی زرعی پالیسی حالات کو چند سال میں بدل سکتے ہیں۔

۳۔ قرضوں کا بوجھ اس مقام پر پہنچ گیا ہے جہاں ان کی واپسی ناممکن ہوتی جا رہی ہے۔ اس بارے

میں انفرادی اور اجتماعی سیاسی جدوجہد کی ضرورت ہے۔ قرضوں کی ادائیگی پر مہلت moratorium اور ۵ سال کے بعد ادائیگی کے نئے شیڈول کی تیاری ہی معقول راستہ ہو سکتے ہیں۔ دنیا کے متعدد ممالک نے یہ راستہ اختیار کیا ہے۔ جنوبی امریکہ کے تیرہ ممالک نے مل کر دباؤ ڈالا اور قرضوں کی نئی شیڈولنگ کرائی۔ ورلڈ بنک کے ایک حالیہ جائزے کی روشنی میں ورلڈ بنک، آئی ایم ایف، آئی ایف سی، علاقائی بنکوں اور دوسرے اداروں سے ۱۳۲ بار ری شیڈولنگ کی جا چکی ہے۔ پاکستان کو اس سلسلے میں ایک بڑا فیصلہ کرنا ہو گا۔

ہماری معیشت کا باہر کی دنیا پر انحصار محدود ہے۔ کل درآمدات اور برآمدات مل کر قومی دولت کا ۱۵ فی صد بنتے ہیں۔ درآمدات میں صرف چار چیزوں پر خطیر رقوم صرف ہو رہی ہیں یعنی اشیاے خوردنی اور خوردنی تیل (تقریباً ۲ ارب ڈالر سالانہ)، تیل اور پٹرولیم مصنوعات (۱ ارب ڈالر سالانہ) اور تقریباً یہی ۳ ارب ڈالر ہمارا تجارتی خسارہ ہے۔ اگر ہماری درآمدات اور برآمدات برابر ہو جائیں تو ہم جتنا زرمبادلہ کمائیں گے اتنا ہی خرچ کرنے لگیں گے اور اس طرح بیرونی وسائل پر انحصار ختم کیا جا سکے گا۔

۴۔ ملکی معیشت کا اصل مسئلہ مزید قرضے حاصل کرنا نہیں بلکہ ملک میں پیداوار بڑھنا اور پیداآوری (productivity) میں اضافے کا حصول ہے۔ معاشی ڈھانچے کو ازسرنو مضبوط کرنا اور ترقی دینا ہے۔ اس کے لیے سب سے پہلے خود اپنے عوام کا، اپنے تاجروں، کاشت کاروں، صنعت کاروں کا اعتماد بحال کرنے اور انھیں پیداآوری عمل میں مصروف کرنے کی ضرورت ہے۔ ملکی معیشت اور عالمی رجحانات کے مطالعے کے بعد راقم اس نتیجے پر پہنچا ہے کہ محض اندھی نج کاری مسائل کا حل نہیں۔ ملک میں بنک کاری کا نظام بحران میں مبتلا ہے اور اسٹاک ایکسچینج کی بنیاد اتنی مختصر ہے کہ اس کی روشنی میں محض نج کاری کی گردان کرنے سے مسائل حل نہیں ہوں گے بلکہ خطرہ ہے کہ ملک کی معیشت بیرونی سرمایہ کاروں اور قماربازوں کے ہاتھوں میں چلی جائے گی۔ آنکھیں بند کر کے سرکاری شعبے کو نجی شعبے میں بدلنا زیادہ مفید نہیں ہو گا۔ سرکاری شعبے کا ایک کردار ہے اور اسے نظرانداز نہیں کیا جا سکتا۔ البتہ اس کے کام کرنے کے انداز کو بدلنا ہو گا۔ اس کی تشکیل نو (restructuring) کی ضرورت ہے۔ اس میں نئی انتظامیہ (management teams) لانے اور بیرونی دنیا کے مختلف تجربات کو سامنے رکھ کر اداراتی اصلاحات کا راستہ اختیار کیا جا سکتا ہے۔ مناسب تحفظات کے ساتھ سرکاری شعبہ معاشی ترقی کے لیے نیا محرک بن سکتا ہے اور اسے ایک خاص حکمت کے ساتھ اندرونی مسابقت اور بیرونی مسابقت دونوں کے لیے کھولا جا سکتا ہے۔ ایک بڑے ادارے کو کئی اداروں میں تقسیم کر کے اندرونی مسابقت کا اہتمام کیا جا سکتا ہے۔ واپڈا اور کے ای ایس سی کا انضمام کوئی اچھی حکمت عملی نہیں۔ خود واپڈا کے علاقے اور کام (function) کی بنیادوں پر تنظیم نو کی جا سکتی ہے اور اسے زیادہ مستعد اور فعال بنایا جا سکتا ہے۔ نجی شعبہ اور سرکاری شعبہ دونوں کو معاشی ترقی کے

لیے متحرک اور منظم کرنے کی ضرورت ہے۔ نج کاری کے کام پر ہم کم از کم ۱۲ سال ضائع کر چکے ہیں۔ نہ نج کاری ہوئی اور نہ سرکاری شعبے کو کسی دوسری بنیاد پر از سرنو منظم کرنے کی کوئی سعی ہو سکی۔ اس مخمصے سے نکلنا بہت ضروری ہے۔

۵۔ بنک کاری کی اصلاح' مرکزی بنک کا احتساب اور نیا کردار اور چھوٹے کاشت کار' تاجر اور صنعت کار کے لیے چھوٹے قرضوں کی فراہمی کا متبادل نظام بھی وقت کی ضرورت ہے۔ سود کی لعنت سے نجات اور متبادل بنیادوں میں مالیاتی نظام کی تشکیل سے بھی بڑا فرق واقع ہو سکتا ہے اور بالکل ایک نیا باب شروع ہو سکتا ہے بشرطیکہ یہ کام پوری دیانت' محنت اور عوام کے تعاون سے انجام دیا جائے۔

۶۔ کرپشن کا سدباب اور لوٹی ہوئی دولت کی واپسی بھی اس حکمت عملی کا ایک اہم حصہ ہے۔ اس سلسلے میں ہم پہلے بھی اپنے خیالات کا اظہار کر چکے ہیں۔ میری نگاہ میں اگر کرپشن کا موثر سدباب ہو جائے تو موجودہ سرکاری آمدنی میں ۲۵ سے ۵۰ فی صد اضافہ ممکن ہے۔ اصل ضرورت نئے ٹیکس لگانے کی نہیں بلکہ ٹیکس صحیح طور پر وصول کرنے اور ٹیکس کی ادائیگی کی فضا بنانے کی ہے۔ یہ اسی وقت ممکن ہے کہ ٹیکس دینے والوں کو فیصلہ سازی میں شریک کیا جائے اور ٹیکس آمدنی کو ایسے شفاف انداز میں خرچ کیا جائے کہ ٹیکس دینے والے اور عوام اس کے مثبت اثرات کو دیکھ سکیں۔ ٹیکس کا ایک بنیادی اصول عوام کی مرضی ہے: رضامندی کے بغیر کوئی ٹیکس نہیں (no taxation without consent)۔ اسی لیے جمہوریت میں ٹیکس لگانے کا حق صرف منتخب نمایندوں کو ہوتا ہے جس کا مقصد ٹیکس دینے والوں کی مرضی اور اعانت ہے۔ ہمارے یہاں یہ رشتہ بالکل ختم ہو چکا ہے' اسے بحال کرنے کی ضرورت ہے۔ اگر ٹیکس کے نظام کو بدعنوانیوں سے پاک کیا جا سکے تو کوئی وجہ نہیں کہ کم شرح کے باوجود زیادہ آمدنی کا حصول ممکن نہ ہو۔ استعماری دور کے رسم و رواج سے نجات اور ایک نئے ٹیکس کلچر کی ضرورت ہے تاکہ ٹیکس گزاروں کی بنیاد وسیع ہو سکے۔ شرح ٹیکس معقول ہو' سرکاری اخراجات جائز طریقے سے اور عوام کی بہبود کے لیے ہو اور یہ سب کچھ چشم سر سے نظر آ سکے۔ پھر دیکھیے لوگوں کا رویہ کس طرح بدلتا ہے۔

۷۔ عالمی معاشی اثراندازیوں سے تحفظ کے لیے ضروری ہے کہ علاقائی سطح پر معاشی منصوبہ بندی اور تنظیم کاری کی فکر کی جائے۔ پاکستان کی بڑی اسٹرے ٹیجک اہمیت ہے۔ ایران' افغانستان اور پاکستان کے درمیان بڑی معاشی مناسبتیں (complementalities) ہیں۔ وسط ایشیا اور غربی ایشیا سے معاشی تعاون کا بڑا امکان ہے۔ چین اور پاکستان کے درمیان معاشی تعاون کے لیے وہ کوششیں نہیں ہوئیں جو سیاسی اور عسکری تعاون میں ہوئی ہیں۔ عالمی معاشی حالات جس رخ پر جا رہے ہیں ان تمام ممالک کے لیے ناگزیر ہو جائے گا کہ علاقائی تعاون کے ذریعے مغربی سرمایہ داری اور معاشی استعمار کی یلغار کو روکیں اور اپنی حفاظت کریں۔ اس کے لیے جتنی جلدی اور مستعدی سے منصوبہ بندی اور گفت و شنید کا آغاز کیا جائے اتنا

ہی مفید ہو گا۔

یہ وہ چند خطوط ہیں جن پر ایک متبادل معاشی حکمت عملی استوار کی جا سکتی ہے اور یہی وہ راستہ ہے جس پر چل کر موجودہ ولدل سے نکلنا ممکن ہو سکے گا۔ جو چیزیں دلدل میں لے گئی ہیں' انھی کو اختیار کرنے کے معنی تو یہ ہیں کہ ہم اسی دلدل میں مزید دھنستے چلے جائیں۔ یہ زندگی اور ترقی کا نہیں' تباہی کا راستہ ہو گا۔

یہ سارا کام غلامانہ ذہن کے ساتھ نہیں ہو سکتا۔ یہ کام صرف ٹیکنو کریٹس بھی نہیں کر سکتے۔ پالیسی سازی کے لیے ٹیکنوکریٹس کا تعاون اور تجربہ بہت ضروری ہے لیکن جس طرح چلنے کے لیے دو ٹانگیں درکار ہیں اسی طرح پالیسی سازی کے لیے فنی مہارت اور تجربے کے ساتھ عوام سے ربط' ان کے مزاج' حالات' کوائف' رجحانات' احساسات' تمناؤں' خدشات اور تحفظات کا علم بھی ضروری ہے۔ پالیسی نہ خلا میں بنتی ہے اور نہ خلا میں نافذ کی جاتی ہے۔ عوام سے باہمی تعامل (inter action) کے بغیر پالیسی سازی یک رخی اور غیر حقیقت پسندانہ رہتی ہے اور یہی ہماری خرابی رہی ہے۔ حکومت کے وہ دور جن کو جمہوری کہا جاتا ہے ان میں بھی قیادت کا عوام سے ربط و تعلق اور عوام کے ردعمل کا لحاظ (feed back) نہ ہونے کے برابر تھا۔ فوجی حکومت میں یہ خطرہ مزید بڑھ جاتا ہے۔ اس لیے صرف پریس اور میڈیا کی آزادی کافی نہیں ہے' عوامی شرکت بھی ضروری ہے۔ اس کے لیے طاقت کی منتقلی (devolution of power) بھی ضروری ہے۔ ہر سطح پر پالیسی سازی میں ان لوگوں کی شرکت بھی ضروری ہے جو عوام میں سے ہوں' عوام میں اٹھتے بیٹھتے ہوں' اور پالیسیوں کے عوامی اثرات کو جان سکتے ہوں اور ان کی روشنی میں پالیسی سازی پر اثرانداز ہو سکتے ہوں۔ دستور میں جتنی صوبائی مختاری اور اختیارات کی تقسیم موجود ہے اس کے ۸۰ فی صد پر عمل نہیں ہوا۔ اگر اس پر عمل ہو تو مرکز میں کم از کم ۱۴ وزارتیں ایسی ہیں جن کا کوئی جواز نہیں۔ پھر جب تک ٹیکس لگانے اور ٹیکس سے حاصل ہونے والی آمدنی صرف کرنے اور اس کی جواب دہی کرنے کا عمل صوبائی اور مقامی سطح پر نہیں پہنچتا' تقسیم اختیارات بے معنی ہو گی۔

چند بنیادی اصلاحات کی فوری ضرورت ہے: ایک طرف دستوری ڈھانچے کو فی الحال بدلے بغیر مرکز' صوبے اور ضلع کی سطح پر ایسے موثر نظام کا قیام جو اپنے اپنے دائرے میں سیاسی فیصلہ کرنے' ٹیکس لگانے' ترقیاتی پروگرام اور سماجی خدمات بڑی حد تک خود انحصاری اور خود مختاری کے انداز میں روبہ عمل آسکیں۔ ضلع کی سطح پر ایسا منتخب نظام ہونا چاہیے جس میں ضلع کا سربراہ (ناظم / ڈپٹی گورنر) منتخب ہو اور ہر دو سال بعد دوبارہ انتخاب ہو۔ انتظامیہ اس کے اور اس کی منتخب کونسل کے ماتحت ہو اور نظم و نسق' ترقیات' تعلیم'

صحت' ٹرانسپورٹ کا نظام اس سطح پر مناسب اداروں (authorities) کے ذریعے کام کرے۔ اس سطح پر ٹیکس کا اختیار بھی دیا جائے۔ یہ سارا کام مناسب قانون سازی کے ذریعے کسی دستوری ترمیم کے بغیر ہو سکتا ہے۔ اس کے اوپر صوبے کا نظام ہو اور مرکز ان کاموں تک اپنے آپ کو محدود رکھے جو دستور میں اسے دیے گئے ہیں۔ اس اداراتی (institutional) اور ہیئتی (structural) تبدیلی کے ساتھ مرکز' صوبہ اور ضلع ہر سطح پر عوامی شرکت کا اہتمام ہو--- فوری طور پر عوام ہی سے نیکوکار' اچھی شہرت والے لوگوں کو پالیسی سازی میں شریک کیا جائے اور بالآخر انتخابی نظام کی ہر سطح پر بحالی کے ذریعے ٹیکنوکریٹس اور عوامی نمایندوں کے باہمی اشتراک ہی سے کوئی اچھا نظام چل سکتا ہے۔

سب سے اہم بات یہ ہے کہ جو نظام بھی ہو وہ شفاف ہو' کھلے انداز میں حکمرانی کی ذمہ داریاں خدمت کے جذبے سے انجام دی جائیں۔ جواب دہی کا نظام موجود ہو' محنت کا پورا پورا حق ادا کیا جائے لیکن کرپشن کا ہر دروازہ اور دریچہ بند کر دیا جائے۔ یہ سارا کام قانون اور جبر کے ذریعے نہیں بلکہ عوام کی مرضی اور مادی محرکات کے ساتھ ساتھ اخلاقی' دینی اور قومی جذبات کو بھرپور انداز میں انگیز کر کے انجام دیے جائیں۔ حالات خواہ کتنے بھی خراب ہوں' نہ ہم اللہ سے ناامید ہیں اور نہ اپنی قوم سے۔

آپ قوم کے اچھے جذبات و احساسات کو انگیز کریں اور دیکھیں کہ یہ قوم کس طرح زندگی کے اعلیٰ مقاصد کے حصول کے لیے سرگرم عمل ہو جاتی ہے۔ آپ اس زبان میں بات کریں جو یہ قوم سمجھتی ہے' ان محرکات کو موثر بنائیں جن سے اس کی تاریخی روایات وابستہ ہیں' اسے یہ امید دلائیں کہ اس کے دن بدل جائیں گے اور اس کی امنگیں اور آرزوئیں پوری ہو سکیں گی' اسے سواری کے لیے استعمال نہیں کیا جائے گا بلکہ وہ خود شہ سواری کر سکے گی تو آپ انھی عوام کو ایک نئے رنگ میں دیکھیں گے اور نئی رفعتوں کی طرف پیش قدمی کر سکیں گے۔

نہیں ہے ناامید اقبال اپنی کشت ویراں سے
ذرا نم ہو تو یہ مٹی بہت زرخیز ہے ساقی

روزہ: اجتماعی عمل کی برکات

نماز کی طرح روزہ بھی بجائے خود ایک انفرادی فعل ہے' لیکن جس طرح نماز کے ساتھ جماعت کی شرط لگا کر اس کو انفرادی سے اجتماعی فعل میں تبدیل کر دیا گیا ہے' اسی طرح روزے کو بھی ایک ذرا سی حکیمانہ تدبیر نے انفرادی عمل کے بجائے اجتماعی عمل بنا کر اس کے فوائد و منافع کو اتنا بڑھا دیا ہے کہ ان کا احاطہ نہیں کیا جا سکتا۔ وہ تدبیر بس اتنی سی ہے کہ روزے رکھنے کے لیے ایک خاص مہینہ مقرر کر دیا گیا۔ اگر شارع کے پیش نظر محض افراد کی اخلاقی تربیت ہوتی تو اس کے لیے یہ حکم دینا کافی تھا کہ ہر مسلمان سال بھر کے دوران میں کبھی ۳۰ دن کے روزے رکھ لیا کرے---- ضبط نفس کی مشق کے لیے یہ صورت زیادہ مناسب تھی۔ کیونکہ اجتماعی عمل سے روزہ رکھنے میں جو آسانی افراد کے لیے پیدا ہو جاتی ہے وہ انفرادی عمل کی صورت میں نہ ہوتی اور ہر شخص کو اپنا فرض ادا کرنے میں نسبتاً زیادہ شدت کے ساتھ اپنی قوت ارادی استعمال کرنی پڑتی۔ لیکن اسلام کا قانون جس حکیم نے بنایا ہے اس کی نگاہ میں افراد کی ایسی تیاری کسی کام کی نہیں ہے جس کے نتیجے میں ایک جماعت صالحہ وجود میں نہ آئے۔ اس لیے اس نے روزے کو محض ایک انفرادی عمل بنانا پسند نہیں کیا' بلکہ سال بھر میں ایک مہینہ روزے کے لیے مخصوص کر دیا تاکہ سب مسلمان بہ یک وقت روزہ رکھیں اور وہی نظام تربیت جس سے افراد تیار ہوں' ایک صالح اجتماعی نظام بنانے میں بھی مددگار ہو جائے۔

اس حکیمانہ تدبیر سے روزے کے اخلاقی و روحانی منافع میں جو اضافہ ہوا ہے اس کی طرف یہاں چند مختصر اشارات کیے جاتے ہیں۔

تقویٰ کی فضا: اجتماعی عمل کی اولین خصوصیت یہ ہے کہ اس سے ایک خاص قسم کی نفسیاتی فضا پیدا ہو جاتی ہے۔ ایک شخص انفرادی طور پر کسی ذہنی کیفیت کے تحت کوئی کام کر رہا ہو اور اس کے گردوپیش دوسرے لوگوں میں نہ وہ ذہنی کیفیت ہو اور نہ وہ اس کام میں اس کے شریک ہوں' تو وہ اپنے آپ کو اس ماحول میں بالکل اجنبی پائے گا۔ اس کی کیفیت ذہنی صرف اسی کی ذات تک محدود اور صرف اسی کی نفسی قوتوں پر منحصر رہے گی' اس کو نشوونما پانے کے لیے ماحول سے کوئی مدد نہ ملے گی' بلکہ ماحول کے مختلف اثرات اس کیفیت کو بڑھانے کے بجائے الٹا گھٹا دیں گے۔ لیکن اگر وہی کیفیت پورے ماحول پر طاری ہو' اگر تمام لوگ ایک ہی خیال اور ایک ہی ذہنیت کے ماتحت ایک ہی عمل کر رہے ہوں تو معاملہ برعکس ہو گا۔ اس وقت ایک ایسی اجتماعی فضا بن جائے گی جس میں پوری جماعت پر وہی ایک کیفیت چھائی ہوئی ہو گی اور

ہر فرد کی اندرونی کیفیت' ماحول کی خارجی اعانت سے غذا لے کر' بے حد و حساب بڑھتی چلی جائے گی۔

ایک شخص اکیلا برہنہ ہو اور گرد وپیش سب لوگ کپڑے پہنے ہوئے ہوں تو وہ کس قدر شرمائے گا؟ بے حیائی کی کتنی بڑی مقدار اس کو برہنہ ہونے کے لیے درکار ہوگی اور پھر بھی ماحول کے مختلف اثرات سے اس کی شدید بے حیائی بھی کس طرح بار بار شکست کھائے گی؟ لیکن جہاں ایک حمام میں سب ننگے ہوں وہاں شرم بے چاری کو پھٹکنے کا موقع بھی نہ ملے گا۔ اور ہر شخص کی بے شرمی دوسروں کی بے شرمی سے مدد پاکر افزوں در افزوں ہوتی چلی جائے گی۔ ایک ایک سپاہی کا الگ الگ جنگ کرنا اور مہالک جنگ برداشت کرنا کس قدر مشکل ہے؟ مگر جہاں فوج کی فوج ایک ساتھ مارچ کر رہی ہو وہاں جذبات شہامت و حماست کا ایک طوفان اُمنڈ آتا ہے جس میں ہر سپاہی مستانہ وار بہتا چلا جاتا ہے۔ نیکی ہو یا بدی' دونوں کی ترقی میں اجتماعی نفسیات کو غیر معمولی دخل حاصل ہے۔ جماعت مل کر بدی کر رہی ہو تو فحش' بے حیائی اور بدکاری کے جذبات ابل پڑتے ہیں۔ اور جماعت مل کر نیکی کر رہی ہو تو پاکیزہ خیالات اور نیک جذبات کا سیلاب آ جاتا ہے جس میں بد بھی نیک بن جاتے ہیں' خواہ تھوڑی دیر کے لیے سہی۔

اجتماعی روزے کا مہینہ قرار دے کر رمضان سے شارع نے یہی کام لیا ہے۔ جس طرح آپ دیکھتے ہیں کہ ہر غلہ اپنا موسم آنے پر خوب پھلتا پھولتا ہے اور ہر طرف کھیتوں پر چھایا ہوا نظر آتا ہے' اسی طرح رمضان کا مہینہ گویا خیر و صلاح اور تقویٰ و طہارت کا موسم ہے' جس میں برائیاں دبتی ہیں' نیکیاں پھلتی ہیں' پوری پوری آبادیوں پر خوف خدا اور حب خیر کی روح چھا جاتی ہے' اور ہر طرف پرہیزگاری کی کھیتی سرسبز نظر آنے لگتی ہے۔ اس زمانے میں گناہ کرتے ہوئے آدمی کو شرم آتی ہے' ہر شخص خود گناہوں سے بچنے کی کوشش کرتا ہے اور اپنے کسی دوسرے بھائی کو گناہ کرتے دیکھ کر اسے شرم دلاتا ہے۔ ہر ایک کے دل میں یہ خواہش ہوتی ہے کہ کچھ بھلائی کا کام کرے' کسی غریب کو کھانا کھلائے' کسی ننگے کو کپڑا پہنائے' کسی مصیبت زدہ کی مدد کرے' کہیں کوئی نیک کام کر رہا ہو تو اس میں حصہ لے' کہیں کوئی بدی ہو رہی ہو تو اسے روکے۔ اس وقت لوگوں کے دل نرم ہو جاتے ہیں' ظلم سے ہاتھ رک جاتے ہیں' برائی سے نفرت اور بھلائی سے رغبت پیدا ہو جاتی ہے' توبہ اور خشیت و انابت کی طرف طبیعتیں مائل ہوتی ہیں' نیک بہت نیک ہو جاتے ہیں اور بد کی بدی اگر نیکی میں تبدیل نہیں ہوتی تب بھی اس جلاب سے اس کا اچھا خاصا تنقیہ [صفائی] ضرور ہو جاتا ہے۔ غرض اس زبردست حکیمانہ تدبیر سے شارع نے ایسا انتظام کر دیا ہے کہ ہر سال ایک مہینے کے لیے پوری اسلامی آبادی کی صفائی ہوتی رہے' اس کو اوورہال کیا جاتا رہے' اس کی کایا پلٹی جائے اور اس میں مجموعی حیثیت سے روح اسلامی کو از سرنو زندہ کر دیا جائے۔ اسی بنا پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جب رمضان آتا ہے تو جنت کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں اور دوزخ کے دروازے بند کر دیے جاتے ہیں اور شیاطین باندھ دیے جاتے ہیں"۔ اور ایک دوسری حدیث میں ہے: "جب رمضان کی پہلی تاریخ آتی ہے تو شیاطین اور سرکش جن باندھ دیے جاتے ہیں۔ دوزخ کی طرف

جانے کے دروازے بند کر دیے جاتے ہیں۔ ان میں سے کوئی دروازہ کھلا نہیں رہتا۔ اور جنت کی طرف جانے کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں۔ ان میں سے کوئی دروازہ بند نہیں رہتا۔ اس وقت پکارنے والا پکارتا ہے' اے بھلائی کے طالب آگے بڑھ اور برائی کے خواہش مند ٹھیر جا"۔

سکتہ کے مریض کا آخری امتحان اس طرح کیا جاتا ہے کہ اس کی ناک کے پاس آئینہ رکھتے ہیں۔ اگر آئینے پر کچھ دھندلاہٹ سی پیدا ہو تو سمجھتے ہیں کہ ابھی جان باقی ہے' ورنہ اس کی زندگی کی آخری امید بھی منقطع ہو جاتی ہے۔ اسی طرح مسلمانوں کی کسی بستی کا تمھیں امتحان لینا ہو تو اسے رمضان کے زمانے میں دیکھو۔ اگر اس مہینے میں اس کے اندر کچھ تقویٰ' کچھ خوف خدا' کچھ نیکی کے جذبے کا ابھار نظر آئے تو سمجھو ابھی زندہ ہے۔ اور اگر اس مہینے میں بھی نیکی کا بازار سرد ہو' فسق و فجور کے آثار نمایاں ہوں' اور حس مردہ نظر آئے تو اناللّٰہ وانا الیہ راجعون پڑھ لو۔ اس کے بعد زندگی کا کوئی سانس "مسلمان" کے لیے مقدر نہیں ہے۔

جماعتی احساس : اجتماعی عمل کا دوسرا اہم فائدہ یہ ہے کہ اس سے لوگوں میں فطری اور اصلی وحدت پیدا ہوتی ہے۔ نسل یا زبان یا مرزبوم [مملکت] یا معاشی اغراض کا اشتراک فطری قومیت پیدا نہیں کرتا۔ آدمی کا دل صرف اسی سے ملتا ہے' جو خیالات اور عمل میں اس سے ملتا ہو۔ یہ اصلی رشتہ ہے جو دو آدمیوں کو ایک دوسرے سے باندھتا ہے۔ اور جس کے ساتھ خیالات اور عمل میں اتفاق نہ ہو اس سے کبھی دل نہیں ملتا' خواہ دونوں ایک ہی ماں کے پیٹ سے پیدا ہوئے ہوں۔ جب کوئی شخص اپنے گردوپیش کے لوگوں کو ذہنیت اور عمل میں اپنے سے مختلف پاتا ہے تو صریح طور پر اپنے آپ کو ان کے درمیان اجنبی محسوس کرتا ہے۔ مگر جب بہت سے لوگ مل کر ایک ہی ذہنی کیفیت کے ساتھ ایک ہی عمل کرتے ہیں تو ان میں باہم یگانگت' رفاقت' یک جہتی اور برادری کے گہرے تعلقات پیدا ہو جاتے ہیں۔ ان کے درمیان کوئی اجنبیت باقی نہیں رہتی۔ قلب و روح کا اشتراک اور عمل کا اتفاق ان کو آپس میں جوڑ کر ایک کر دیتا ہے۔

خواہ نیکی ہو یا بدی' دونوں صورتوں میں اجتماعی نفسیات اسی طرح کام کرتے ہیں۔ چوروں میں چوری کا اشتراک اور شرابیوں میں شراب نوشی کا اشتراک بھی یونہی برادری پیدا کرتا ہے۔ مگر فرق یہ ہے کہ بدی کے راستے میں افراد کی نفسانیت کا دخل رہتا ہے جس کا فطری میلان فرد فرد کو پھاڑ کر الگ کر دینے کی طرف ہے' اس لیے ایسے راستوں میں برادری کبھی بے آلائش اور مستحکم نہیں ہوتی۔ بخلاف اس کے نیکی کے راستے میں نفسانیت دبتی ہے' انسانی روح کو حقیقی تسکین ملتی ہے' اور پاک جذبات کے ساتھ آدمی اس راستے پر چلتا ہے۔ اس لیے نیک خیالات اور نیک عمل کا اشتراک وہ بہترین رشتۂ اخوت پیدا کرتا ہے جس سے زیادہ مستحکم اجتماعی رابطے کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔

نماز باجماعت کی طرح رمضان کے اجتماعی روزے مسلمانوں میں اسی نوع کی برادری پیدا کرتے ہیں۔ تمام لوگوں کا مل کر ایک خدا کی رضا چاہنا' اسی کی رضا کے لیے بھوک پیاس کی تکلیف اٹھانا' اسی کے خوف

سے برائیوں کو چھوڑنا اور ایک دوسرے کو برائیوں سے روکنا' اسی کی محبت میں بھلائیوں کی طرف دوڑنا اور ایک دوسرے کو بھلائی پر اکسانا' یہ چیز ان میں بہترین قسم کی وحدت' صحیح ترین فطری قومیت' پاکیزہ ترین اجتماعی ذہنیت اور ایسی ہمدردی و رفاقت پیدا کرتی ہے جو ہر کھوٹ سے خالی ہے۔

امداد باہمی کی روح: اس اجتماعی عبادت کا تیسرا زبردست کام یہ ہے کہ یہ عارضی طور پر تمام لوگوں کو ایک سطح پر لے آتی ہے۔ اگرچہ امیر امیر ہی رہتا ہے اور غریب غریب' لیکن روزہ چند گھنٹوں کے لیے امیر پر بھی وہ کیفیت طاری کر دیتا ہے' جو اس کے فاقہ کش بھائی پر گزرتی ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ اس کی مصیبت حقیقی طور پر محسوس کرتا ہے' اور خدا کی رضا چاہنے کا جذبہ اسے غریب بھائیوں کی مدد کرنے پر اکساتا ہے۔ بہ ظاہر یہ ایک بڑی چھوٹی سی بات معلوم ہوتی ہے مگر اس کے اخلاقی و تمدنی فوائد بے شمار ہیں۔ جس قوم کے امیروں میں غریبوں کی تکالیف کا احساس اور ان کی عملی ہمدردی کا جذبہ ہو' اور جہاں صرف اداروں ہی کو خیرات نہ دی جاتی ہو' بلکہ فرداً فرداً بھی حاجت مندوں کو تلاش کر کے مدد پہنچائی جاتی ہو' وہاں نہ صرف یہ کہ قوم کے کمزور حصے تباہ ہونے سے محفوظ رہتے ہیں' نہ صرف یہ کہ اجتماعی فلاح برقرار رہتی ہے بلکہ غربت اور امارت میں حسد کے بجائے محبت کا' شکرگزاری اور احسان مندی کا تعلق قائم ہوتا ہے اور وہ طبقاتی جنگ کبھی رونما نہیں ہو سکتی' جو ان قوموں میں ہوتی ہے جن کے مال دار لوگ جانتے ہی نہیں کہ فقروفاقہ کیا چیز ہوتی ہے' جو قحط کے زمانے میں تعجب سے پوچھتے ہیں کہ لوگ بھوکے کیوں مر رہے ہیں۔ انھیں روٹی نہیں ملتی تو یہ کیک کیوں نہیں کھاتے؟

یہ اسلام کا دوسرا عملی رکن ہے' جس کے ذریعے سے اسلام اپنے افراد کو فرداً فرداً ایک خاص قسم کی اخلاقی تربیت دے کر تیار کرتا ہے اور پھر انھیں جوڑ کر ایک خاص طرز کی جماعت بناتا ہے۔ اسلام کا آخری مقصد جس مدنیت صالحہ اور حکومت الٰہیہ کو وجود میں لاتا ہے اس کے اجزاے ترکیبی اس طرح نماز اور روزے کے ذریعے سے چھیل بنا کر تیار کیے جاتے ہیں۔ اس کے اہل کار' عہدے دار اور وزرا' اس کے معلم اور پروفیسر' اس کے قاضی اور مفتی' اس کے تاجر' مزدور' کارخانہ دار اور کسان' اس کے رائے دہندے' نمایندے اور شہری' سب اس تربیت کے بعد کہیں اس قابل ہوتے ہیں کہ ان کے اجتماع سے وہ صالح' تمدنی و سیاسی نظام بن سکے جسے "خلافت علی منهاج النبوة" کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔ محض آن گھڑ افراد کو لے کر خلافت الٰہیہ قائم کرنے کے لیے دوڑ جانا' ایسی خام خیالی و خام کاری ہے جس سے اللہ اور اس کا رسولؐ بری ہیں (**اسلامی عبادات پر تحقیقی نظر**' ص ۱۰۹-۱۱۹)۔

دعوت' قرآن اور انسانی نفسیات

حافظ محمد سجاد تترالوی ○

قرآن مجید کا موضوع انسان کی فلاح اور اس کا خسران ہے۔ اس کا مرکزی مضمون یہ ہے کہ ظاہربینی یا قیاس آرائی یا خواہش کی غلامی کے سبب سے انسان نے اللہ اور نظام کائنات' اپنی ہستی اور اپنی دنیوی زندگی کے متعلق جو نظریات قائم کیے ہیں اور ان نظریات کی بنا پر جو رویے اختیار کر لیے ہیں' وہ سب حقیقت نفس الامری کے لحاظ سے غلط اور نتیجے کے اعتبار سے خود انسان ہی کے لیے تباہ کن ہیں۔

قرآن مجید کا مدعا انسان کو اس صحیح رویے کی طرف دعوت دینا اور اس ہدایت کو واضح کرنا ہے جسے انسان اپنی غفلت سے گم اور اپنی شرارت سے مسخ کرتا رہا ہے۔ قرآن مجید نے بہت سے مواقع پر انسانی نفس کے ان رجحانات کی طرف واضح اشارات کیے ہیں جن کی وجہ سے وہ دعوت حق کو قبول کرنے سے احتراز کر سکتا ہے۔

قرآن زمین و آسمان کی ساخت پر' انسان کی خلقت پر' آثار کائنات کے مشاہدات اور گزری ہوئی قوموں کے واقعات پر گفتگو کرتا ہے۔ مختلف قوموں کے عقائد و اخلاق و اعمال پر تنقید کرتا ہے۔ مابعد الطبیعی امور اور وسائل کی تشریح کرتا ہے اور ایسی بہت سی دوسری چیزوں کا ذکر بھی کرتا ہے' مگر اس لیے نہیں کہ اسے طبیعات یا تاریخ یا فلسفہ یا کسی اور فن کی تعلیم دینی ہے بلکہ اس لیے کہ اسے حقیقت نفس الامری کے متعلق انسان کی غلط فہمیاں دور کرنی ہیں' اصل حقیقت لوگوں کو ذہن نشین کرانی ہے' خلاف حقیقت رویہ کی غلطی اور اس کا برا انجام واضح کرنا ہے اور اس رویے کی طرف دعوت دینی ہے جو مطابق حقیقت اور خوش انجام ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ ہر چیز کا ذکر' انسانی نفس کے دعوت قبول کرنے کا موقع محل اور اسے قبول کرنے کی صلاحیت اور سماجی مفادات کو پیش نظر رکھ کر ہی' اس انداز میں کرتا ہے' جس سے انسان کے نفس کی حقیقت واضح ہوتی ہے۔

○ پروفیسر' علامہ اقبال اوپن یونی ورسٹی' اسلام آباد

دعوت قرآنی اور انسانی نفسیات کا لحاظ

انسان کے اندر مختلف میلانات و داعیات پائے جاتے ہیں۔ انھی داعیات کو انسانی زندگی میں محرکات حیات (motive) کی حیثیت حاصل ہے۔ انسان مختلف جذبات و احساسات کا مرقع ہے اور فکر و نظر اور احساسات و جذبات کی تکمیل میں زندگی کے ارتقا کا سارا راز پوشیدہ ہے۔

قرآن حکیم نے انسانی جبلتوں کو حقیقت کی علامت قرار دیا ہے۔ اس طرح وہ محسوس طور پر انسان کو اس حقیقت سے ہم کنار کرتا ہے جو محسوسات سے ماورا اور تغیرات سے بالاتر ہے اور جس تک رسائی حاصل کر کے انسان اپنی وسعتوں میں کائنات اور وجود حیات کی لامتناہی گنجایشوں کو سمو لیتا ہے۔ اس کی متلاشی روح اس مرکز حیات کو پالیتی ہے جس کے گرد کائنات کی ساری اشیا گردش کر رہی ہیں۔ اسے ابدی حسن تک رسائی حاصل ہو جاتی ہے جس کی کارفرمائیوں سے کائنات کا کوئی گوشہ خالی نہیں ہے اس کی نگاہ ایک ایسی بلند ترین قسم کی وحدت سے آشنا ہو جاتی ہے جس میں تمام جھگڑے فنا ہو جاتے ہیں جہاں خارجی دنیا کے پھیلے ہوئے مناظر جذبات' انسان کا خیر مقدم کرتے نظر آتے ہیں۔ قرآن مجید انسانی جبلتوں کو رفعت' وسعت اور لطافت عطا کرتا ہے۔ انھیں حقیقتوں کا مظہر قرار دے کر انسان کی زندگی کے اعلیٰ مفہوم سے آگاہ کرتا ہے۔ قرآن نے اپنے دعوتی طریق میں انھی میلانات و داعیات کو اپیل کیا ہے' جو انسان کی فطرت میں شامل ہیں اور جن کو اختیار کرنا انسان کی بنیادی ضروریات میں سے ہے۔

انسان کے ان فطری داعیات و احساسات کی تہذیب اور ان کو دعوت حق کے لیے ابھارنے اور آمادہ کرنے کے لیے جو عوامل کارآمد ہو سکتے ہیں' نفسیات کی اصطلاح میں ان کو درج ذیل نام دے سکتے ہیں: ۱- محرکات ۲- جذبات ۳- توجہ ۴- التفات۔

۱- محرکات

محرکات وہ عوامل ہوتے ہیں جو کسی فرد کے اندر کسی کام کی تحریک پیدا کرتے ہیں یا شوق بڑھاتے ہیں۔ دنیا میں رونما ہونے والے تمام کے تمام واقعات کسی نہ کسی محرک کا نتیجہ ہوتے ہیں۔ عام محرکات میں بھوک' پیاس' جنسی کشش وغیرہ شامل ہیں چونکہ زیر تحقیق موضوع کا تعلق دعوت و تربیت انسانی سے ہے' اس لیے ہمارے مطالعے کا موضوع وہ محرکات ہیں جو اس مقصد کے لیے کارگر ثابت ہوتے ہیں' ان میں چیدہ چیدہ درج ذیل ہیں:

(الف) انعامات' فائدے کا حصول' معاوضہ' ترغیب۔ (ب) تہدید' سزا' ترہیب۔ (ج) کامیابی اور ناکامی کا احساس۔ (د) داد و تحسین' حوصلہ افزائی۔

(الف) انعامات: اچھی کارکردگی پر انعام بہترین محرک ہے جو انعام پانے والے کو اور دوسروں کو بہتر کارکردگی پر ابھارتا ہے۔ قرآن مجید نے اپنے دعوتی اسلوب میں انعامات کا تذکرہ دو انداز سے کیا ہے۔ ۱-

گذشتہ انعامات کا تذکرہ ۲- آیندہ انعامات کی تحریص۔

گذشتہ انعامات کا تذکرہ اور احسانات کا ذکر کسی کام کی طرف راغب کرنے کا بہترین ہتھیار ہوتا ہے۔ مثلاً اگر والدین کی اطاعت پر کسی کو ابھارنا ہو تو والدین کی ان قربانیوں کا ذکر کیا جاتا ہے جو انھوں نے بچے کے لیے دیں۔ پھر اس سے استفادہ کرتے ہوئے غیرت دلائی جاتی ہے کہ اگر انھوں نے تم پر احسان کیے ہیں تو تمھارا بھی یہ فرض ہے کہ ان کی اطاعت کرو۔

قرآن حکیم میں اس قسم کے احسانات اور انعامات کا ذکر فرما کر انسان کو دعوت حق کی طرف بلایا گیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّکُمُ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ وَالَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکُمْ لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ ○ ..... وَّاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ○ (البقرہ ۲:۲۱-۲۲) اے لوگو' اپنے پروردگار کی عبادت کرو جس نے تمھیں اور تم سے پہلے لوگوں کو پیدا کیا تاکہ تم پرہیزگار بن جاؤ' جس نے تمھارے لیے زمین کو بچھونا اور آسمان کو چھت بنایا اور آسمان سے پانی برسایا۔ پھر اس نے تمھارے کھانے کے لیے پھل پیدا کیے' پس کسی کو خدا کا ساجھی نہ بناؤ اور تم جانتے بھی ہو۔

سورۂ قریش میں یہی انداز و اسلوب اختیار کرتے ہوئے ان کو دعوت و ہدایت پیش کی گئی ہے (قریش ۱۰۶: ۱-۴)۔ قرآن مجید نے انعامات کے دوسرے انداز میں نیک اعمال پر جزاے خیر کی امید دلائی ہے اور مجرد معاوضہ کا ہی ذکر نہیں کیا بلکہ حسی اور معنوی دونوں نعمتوں و انعامات کو بیان کرتے ہوئے' دل کش انداز اختیار فرمایا ہے مثلاً:

وَجَزٰھُمْ بِمَا صَبَرُوْا جَنَّۃً .... وَّکَانَ سَعْیُکُمْ مَّشْکُوْرًا ○ (الدھر ۷۶: ۱۲-۲۲) اور (اللہ تعالیٰ) ان کے صبر کے بدلے (بہشت کے) باغ اور ریشم کی پوشاک عطا فرمائے گا۔ وہاں وہ تختوں پر تکیے لگائے بیٹھے ہوں گے۔ نہ وہاں آفتاب کی دھوپ دیکھیں گے اور نہ شدت کی سردی' اور گھنے درختوں کے سائے ان پر جھکے ہوئے ہوں گے اور میووں کے گچھے ان کے بہت قریب اور ہر طرح سے ان کے اختیار میں ہوں گے۔ اور ان کے سامنے چاندی کے ساغر اور شیشے کے نہایت شفاف گلاس کا دور چل رہا ہوگا اور شیشے بھی کانچ کے نہیں چاندی کے جو ٹھیک اندازے کے مطابق بنائے گئے ہیں۔ اور وہاں انھیں ایسی شراب پلائی جائے گی جس میں زنجبیل (کے پانی) کی آمیزش ہو گی۔ یہ بہشت میں ایک چشمہ ہے جس کا نام سل سبیل ہے اور ان کے سامنے ہمیشہ ایک حالت پر رہنے والے نوجوان لڑکے چکر لگاتے ہوں گے کہ جب تم ان کو دیکھو تو سمجھو کہ بکھرے ہوئے موتی ہیں اور جب تم وہاں نگاہ اٹھاؤ گے تو ہر طرح کی نعمت اور عظیم الشان سلطنت دیکھو گے۔ ان کے اوپر سبز کریپ اور اطلس کی پوشاک ہو گی اور انھیں چاندی کے کنگن پہنائے جائیں گے اور ان کا پروردگار انھیں نہایت

پاکیزہ شراب پلائے گا۔ یہ یقیناً تمھارے لیے ہو گا (تمھارے اعمال کی) جزا اور تمھاری کوشش کی شکرگزاری۔

لوگوں کی متعدد اقسام اور مختلف درجات ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ بعض لوگ زندگی کے محسوس پہلو کو زیادہ اہمیت دیتے ہیں اور کچھ لوگ اس کے معنوی پہلو کو ترجیح دیتے ہیں اور متعدد لوگ ان دونوں حالتوں کے درمیان میں رہتے ہیں اور بسااوقات ایک ہی لمحے میں ان دونوں حالتوں سے گزرتے رہتے ہیں۔ اس لیے قرآن مجید نے نعمتوں کے بیان میں حسی اور معنوی دونوں نعمتوں کا ذکر کیا ہے اور محسوس نعمتوں کو اس قدر خوب صورت اور دل کش انداز میں بیان کیا ہے کہ وہ لوگ جو عالم محسوسات کو ترجیح نہیں دیتے وہ بھی ان نعمتوں کے تذکرے سے لطف اندوز ہو سکیں۔

قرآن مجید ان انعامات و ترغیبات کو بار بار بیان کر کے ان امور کو نفس انسانی کی گہرائیوں میں اجاگر کرتا ہے اور ان کے ذریعے ایسی شعوری اور لاشعوری قوت کو ابھار دیتا ہے جو ہر وقت خیر کی جانب متوجہ رکھتی اور برائیوں سے دور لے جاتی ہے۔

(ب) تہدید (سزا): یہ محرک اس سے قبل ذکر کیے گئے محرک کی ضد ہے۔ اس سے بھی دو طرح فائدہ اٹھایا جاتا ہے:

۱۔ ایک تو ان لوگوں کا ذکر کر کے جن کو برے اعمال کی سزا مل چکی ہے یا دوسرے لفظوں میں ان پر عذاب آچکا ہے۔

۲۔ برے اعمال پر آیندہ سزا کا ذکر کر کے اسے "وعید" کا نام دیا جاتا ہے۔

پہلے طریقے میں بدکار لوگوں کے انجام کا ذکر کر کے ان سے عبرت پکڑنے کی تحریک دلائی گئی ہے۔ حضرت نوحؑ، حضرت شعیبؑ، حضرت ھودؑ، حضرت صالحؑ، حضرت لوطؑ، حضرت موسیٰؑ اور دیگر انبیاے کرام کی امتوں کا انجام بیان کر کے ایسے کاموں سے اجتناب کا حکم دیا گیا جو ان قوموں کے لیے عذاب کا سبب بنے۔ مثلاً سورہ ھود میں حضرت موسیٰؑ کی دعوت کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰی بِاٰيٰتِنَا وَسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ○ ..... وَبِئْسَ الْوِرْدُ الْمَوْرُوْدُ ○ (ھود ۱۱: ۹۶-۹۸) اور موسیٰؑ کو ہم نے اپنی نشانیوں اور کھلی سند ماموریت کے ساتھ فرعون اور اس کے اعیان سلطنت کی طرف بھیجا، مگر انھوں نے فرعون کے حکم کی پیروی کی، حالانکہ فرعون کا حکم راستی پر نہ تھا۔ قیامت کے روز وہ اپنی قوم کے آگے آگے ہو گا اور اپنی پیشوائی میں انھیں دوزخ کی طرف لے جائے گا۔ کیسی بدتر جائے ورود ہے یہ جس پر کوئی پہنچے۔

خوف انسانی زندگی کے اہم تاثرات میں سے ہے۔ یہ ایک فطری تاثر ہے جسے انسان ایسے خطرناک مواقع پر محسوس کرتا ہے جن میں اسے اذیت اور ضرر لاحق ہو، یا اس کی زندگی کو ہلاکت یا موت کا خطرہ

درپیش ہو۔ خوف حیات انسانی کے لیے مفید ہے کیونکہ خوف کی وجہ سے آدمی خطرے کی جگہوں سے بچتا ہے اور ان چیزوں سے دور رہتا ہے جو اسے اذیت اور ضرر پہنچا سکتی ہیں۔ خوف کی سب سے اہم قسم جس کے انسان کی زندگی میں بڑے فوائد ہوتے ہیں وہ اللہ کے عذاب سے خوف ہے۔ اللہ کے عذاب سے خوف انسان کو اپنی دینی ذمہ داریوں کو پابندی سے ادا کرنے، اللہ کو راضی کرنے والے اعمال کی انجام دہی، اللہ کی منہیات سے بچنے اور گناہوں کے ارتکاب سے دور رہنے پر آمادہ کرتا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

وَاَنْذِرْ بِهِ الَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ اَنْ يُّحْشَرُوْٓا اِلٰى رَبِّهِمْ (الانعام ۶:۵۱) اور اے نبیؐ، آپؐ اس (علم بالوحی) کے ذریعے سے ان لوگوں کو نصیحت کریں جو اس کا خوف رکھتے ہیں کہ اپنے رب کے سامنے پیش کیے جائیں گے۔

عذاب کا بیان کرنے والی آیات بہت ہیں۔ ان میں سے چند آیات بیان کرتے ہیں جو تمام مراحل پر مشتمل ہیں مثلاً:

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِنَا سَوْفَ نُصْلِيْهِمْ نَارًا ط كُلَّمَا نَضِجَتْ جُلُوْدُهُمْ بَدَّلْنٰهُمْ جُلُوْدًا غَيْرَهَا لِيَذُوْقُوا الْعَذَابَ ط (النساء ۴:۵۶) جن لوگوں نے ہماری آیات کو ماننے سے انکار کر دیا ہے انھیں بالیقین ہم آگ میں جھونکیں گے اور جب ان کے بدن کی کھال گل جائے گی، تو اس کی جگہ دوسری کھال پیدا کر دیں گے تاکہ وہ خوب عذاب کا مزا چکھیں۔

قرآن کریم نے تخویف کا ایک طریقہ یہ بھی اختیار کیا ہے کہ عذاب حسی اور عذاب معنوی کو اس طرح ملا کر بیان کیا ہے کہ اس میں عذاب حسی کا پہلو غالب ہے۔

فَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا قُطِّعَتْ لَهُمْ ثِيَابٌ مِّنْ نَّارٍ ط يُصَبُّ مِنْ فَوْقِ رُءُوْسِهِمُ الْحَمِيْمُ ○ يُصْهَرُ بِهٖ مَا فِيْ بُطُوْنِهِمْ وَالْجُلُوْدُ ○ وَلَهُمْ مَّقَامِعُ مِنْ حَدِيْدٍ ○ كُلَّمَآ اَرَادُوْٓا اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَا مِنْ غَمٍّ اُعِيْدُوْا فِيْهَا ق وَذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ ○ (الحج ۲۲:۱۹-۲۲) ان میں سے وہ لوگ جنھوں نے کفر کیا، ان کے لیے آگ کے لباس کاٹے جائیں گے۔ ان کے سروں پر کھولتا ہوا پانی ڈالا جائے گا۔ جس سے ان کی کھالیں ہی نہیں پیٹ کے اندر کے حصے تک گل جائیں گے اور ان کی خبر لینے کے لیے لوہے کے گرز ہوں گے جب کبھی وہ گھبرا کر جہنم سے نکلنے کی کوشش کریں گے پھر اسی میں دھکیل دیے جائیں گے کہ چکھو اب جلنے کی سزا کا مزہ"۔

اور کہیں، کہیں قرآن مجید میں عذاب معنوی کو عذاب حسی پر غالب کر کے بیان کیا گیا ہے:

نَارُ اللّٰهِ الْمُوْقَدَةُ ○ الَّتِيْ تَطَّلِعُ عَلَى الْاَفْـِٕدَةِ ○ (الھمزہ ۱۰۴:۶-۷) اللہ کی آگ خوب بھڑکائی ہوئی جو دلوں تک پہنچے گی۔

عذاب سے متعلق مندرجہ بالا آیات تمام جملہ درجات و انواع پر مشتمل ہیں۔ کیونکہ انسانوں کی نفسیاتی

ساخت باہم ایک دوسرے سے مختلف ہوتی ہے۔ زیادہ لوگ ایسے ہوتے ہیں جو محسوس اور مادی اشیا کو مد نظر رکھتے ہیں اور کچھ لوگ اس معیار سے بلند ہوتے ہیں اور ان کی نظر میں معنوی حالات اور نفسیات کیفیات کی بھی اہمیت ہوتی ہے اور یہ حالات و کیفیات ان پر اثرانداز بھی ہوتے ہیں بلکہ شخص واحد مختلف حالات میں مختلف کیفیات سے گزرتا ہے اور اس پر بعض ظروف و احوال میں محسوس امور اثرانداز ہوتے ہیں اور بعض دوسرے ظروف و حالات میں دوسرے امور اثرانداز ہوتے ہیں۔ اسی لیے قرآن مجید نے ہر درجے اور ہر مرحلے کے خوف کو موثر طریقے پر پیدا کیا ہے تاکہ تمام انسانوں کو اور انسانوں کے جملہ حالات کو جامع ہو جائے۔

(ج) کامیابی اور ناکامی کا احساس: انسان کو وہی مطلوب ہے جس میں اس کا فائدہ ہو اور وہ اس سے بچتا ہے جس میں اسے نقصان کا اندیشہ ہو۔ اگر انسان کو صحیح طور پر معلوم ہو جائے کہ اس کا واقعی فائدہ کیا ہے اور حقیقی نقصان کا موجب کیا ہو سکتا ہے تو پھر وہ اسی کی روشنی میں اپنے لیے کوئی راہ متعین کرتا ہے۔ قرآن مجید میں پوری قوت کے ساتھ یہ بات سمجھانے کی کوشش کی گئی ہے کہ انسان کے لیے نفع و نقصان کا حقیقی معیار کیا ہے؟ قرآن نے اس بات کو ذہن نشین کرایا ہے کہ ہر نفس کو موت کا ذائقہ چکھنا ہے (آل عمرٰن ۳: ۱۸۵)--- اور یہ کہ قیامت کے دن انسان کو اس کے اعمال کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا (آل عمرٰن ۳: ۱۸۵) اور جو کچھ انسان اس دنیا میں اعمال کرتا ہے چاہے وہ برے یا نیک اعمال ہوں' انھی کے مطابق اس کی کامیابی و ناکامی کا دار و مدار ہے۔ قرآن مجید نے اطاعت الٰہی اور اطاعت رسولؐ کو کامیابی و فلاح کی اساس قرار دیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

> وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيْمًا ○ (الاحزاب ۳۳: ۷۱) اور جس نے اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کی اس نے بہت بڑی کامیابی حاصل کی۔

اور اس کے علاوہ نفس انسانی کو یہ بتایا گیا کہ فجور اور تقویٰ کے الگ الگ نتائج ہیں اور نیکی اور بدی کی تمیز انسان کو کرائی گئی ہے اور فرمایا گیا ہے کہ:

> قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا ○ وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰهَا ○ (الشمس ۹۱: ۹-۱۰) یقیناً فلاح پا گیا وہ جس نے نفس کا تزکیہ کیا اور نامراد ہوا وہ جس نے اس کو دبایا۔

یعنی یہ کہ جو اپنے نفس کو فجور سے پاک کرے' اس کو ابھار کر تقویٰ کی بلندی پر لے جائے' اور اس کے اندر بھلائی کو نشوونما دے' وہ فلاح پائے گا۔ قرآن مجید نے ان اخلاقی صفات کو بھی بیان کیا ہے جو کامیابی کے لیے درکار ہیں اور جو دنیا و آخرت کی فلاح و کامیابی کے لیے ضروری ہیں۔

حوصلہ افزائی

کبھی کبھی حالات کی مشکلات کے سامنے انسان ہتھیار ڈال دیتا ہے اور وہ سمجھ لیتا ہے کہ ان کا مقابلہ

کرنے اور ان سے کامیابی سے نبٹنے کی اس میں ہمت ہی نہیں۔ ایسے میں حوصلہ افزائی ایک ایسا محرک ہے جو اسے ایسی غیر مرئی قوت عطا کر دیتی ہے جس سے وہ ہاری ہوئی بازی جیت جاتا ہے۔ تاریخ عالم میں ایسی کئی مثالیں موجود ہیں جن میں حوصلہ افزائی کے سحر انگیز اثر کے نمونے موجود ہیں۔

قرآن مجید میں اس نفسیاتی پہلو سے بھی استفادہ کیا گیا ہے' مثلاً مسلمانوں کو جنگ کے لیے ابھارنے کی غرض سے ارشاد فرمایا:

وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ (آل عمرٰن ۳:۱۳۹) اور تم ہمت مت ہارو اور رنج مت کرو اور اگر تم صحیح مومن ہو تو تم ہی غالب رہو گے۔

- داعی کو دعوتی کام کی اہمیت بتاتے ہوئے اس کی حوصلہ افزائی فرمائی' ارشاد ہوتا ہے:

وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَآ اِلَى اللّٰهِ وَعَمِلَ صَالِحًا (حم السجدة ۴۱: ۳۳) اور اس سے اچھا قول اور کس کا ہو سکتا ہے کہ جو اللہ کی طرف بلائے اور اعمال صالح کرے۔ (جاری)

میرے مالک!

قیامت کے دن
ترے عرش کا سایہ نصیب ہو
حوض کوثر سے پیاس بجھے
مجھے قبر کا عذاب نہ ہو
میرے لیے ہر سوال کا جواب آسان ہو

میرے خالق!

خواب میں رسولؐ کی زیارت ہو
کعبۃ اللہ اور مسجد نبویؐ کی نمازیں ملیں
ہر لمحہ تیرے دین کی خدمت میں صرف ہو
آنکھ' کان اور دل کے گناہوں سے محفوظ رہوں
ترے خاص فضل سے اس دور کے خاص فتنوں سے بچا رہوں

اے اللہ! اپنے فرشتے بھیج کر ان کی مدد کر
جو ہتھیلی پر سر لیے تیرے کلمہ کی سربلندی کے لیے میدان جہاد میں ہیں

اپنے رسولؐ کی امت کو بچا
ذلت و مسکنت کی زندگی سے
آخرت کے دن کی رسوائی سے

صالح اعمال کی' پاک زندگی گزارنے کی توفیق دے
کمزور ارادوں کو مضبوط عزم میں' عمل میں بدل دے
مدد کر' کامیابی عطا کر

یا ارحم الراحمین یا ارحم الراحمین!!

خیر خواہ

قرض کے آداب

محمد اکرم فضل ۰

مال و دولت اور اولاد' اللہ کی نعمت اور دنیا کی زینت کا سامان ہے۔ اللہ تعالیٰ بعض لوگوں کو ان نعمتوں سے نواز کر آزماتا ہے اور بعض کو محروم کر کے۔ انسان کے حالات ہمیشہ ایک سے نہیں رہتے اور گردش ایام کے باعث زندگی میں قرض یا ادھار لینے کی نوبت بھی آ سکتی ہے۔ ایسے مواقع پر قناعت پسند افراد حتی الامکان قرض سے پرہیز کی کوشش کرتے ہیں اور سخت مجبوری کی حالت میں اس راستے کو اختیار کرتے ہیں اور پھر حسب وعدہ قرض لوٹانے کی فکر اور کوشش کرتے ہیں۔ دنیا میں انسانوں کی زندگی باہمی تعاون سے ہی باوقار اور پرسکون ہوتی ہے۔ لیکن بعض لوگ اس باہمی تعاون اور اعتماد کو دانستہ یا نادانستہ ٹھیس پہنچاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آج اکثر لوگ استطاعت کے باوجود اپنے ضرورت مند بھائی کی حاجت روائی سے بے اعتنائی برتتے ہیں اور ٹال مٹول سے کام لیتے ہیں۔ جو شخص اپنے ضرورت مند بھائی کی حاجت پوری کرتا ہے اور مجبوری کے وقت قرض دے کر اس کی ضرورت پوری کرتا ہے' وہ ضرورت مند کا محسن ہے۔ اس احسان کا بدلہ احسان ہی کی صورت میں ہونا چاہیے۔ قرآن کریم میں ارشاد ہے: وَهَلْ جَزَآءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ ۝ (الرحمٰن ۵۵: ۶۰) (اور احسان کا بدلہ نہیں' سوائے احسان کے)۔ اس کا طریق کار نبیؐ نے یہ بتایا ہے کہ احسان کرنے والے کے لیے دعا کی جائے اور وقت مقررہ پر اس کا قرض ادا کیا جائے۔ قرض ایک ایسا بوجھ ہے کہ جس سے ہمارے آقا و مولا حضرت محمدؐ نے پناہ مانگی اور آپؐ اکثر و بیشتر یہ دعا فرمایا کرتے تھے: "اے اللہ' میں گناہ اور قرض کے بوجھ سے پناہ مانگتا ہوں"۔ آپؐ نے فرمایا: "قرض رات کا غم اور دن میں ذلت کا ذریعہ ہے"۔

حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے لوگوں کا مال لیا اس حال میں کہ وہ اس کو واپس کرنے کا ارادہ رکھتا تھا' تو اللہ تعالیٰ اسے ادا کرنے کی توفیق عطا فرماتا ہے۔ اور جو اس ارادے سے لیتا ہے کہ اسے تلف کر دے گا' یعنی واپس نہ کرے گا' تو اللہ اس کے اپنے مال

---

۰ سابق ناظم' مرکزی شعبہ تنظیم جماعت اسلامی پاکستان

تلف کر دے گا (صحیح بخاری)۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ مال کے ہوتے ہوئے قرض کی واپسی میں تاخیر کرنا زیادتی ہے (صحیح بخاری و صحیح مسلم)۔ یعنی قرض لے کر ادا کرنے کی قدرت اور استطاعت کے باوجود ٹال مٹول کرنا اور لاپرواہی برتنا ظلم ہے۔ حضرت عمرو بن شرید اپنے باپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مال دار آدمی اگر قرض ادا کرنے میں تاخیر کرے، تو اسے سزا دینا اور اس کی بے عزتی کرنا جائز ہے۔ اس حدیث کو ابوداود، نسائی اور ابن حبان نے روایت کیا ہے (بلوغ المرام، کتاب البیوع)۔ ہاں جو شخص تنگ دست ہو، تو اس کو مہلت دی جانی چاہیے۔ احادیث میں اس کی فضیلت بیان ہوئی ہے۔ رسول کریمؐ کا ارشاد ہے: "جو کسی تنگ دست (مقروض) کو مہلت دے یا اس کا قرض معاف کر دے، تو اللہ تعالیٰ اس کو قیامت کے دن اپنے عرش کے نیچے سایہ دے گا جس دن اس کے سائے کے سوا کوئی اور سایہ نہ ہو گا" (ترمذی، مسند احمد)۔ ارشاد رسول اللہؐ ہے: "جو کسی تنگ دست (مقروض) کو مہلت دے تو ادائگی کے وقت سے پہلے اس کو ہر دن قرض کی مقدار صدقہ کرنے کا ثواب ملے گا اور ادائگی کا وقت آ جانے کے بعد مہلت دے، تو اس کو ہر دن کے بدلے قرض کی دوگنی مقدار صدقہ کرنے کا ثواب ملے گا" (مسند احمد، ابن ماجہ اور مستدرک حاکم)۔

قرض (لین دین) کی دستاویز

یہ ایک لازمی امر ہے کہ قرض (تھوڑا ہو یا بہت) کی دستاویز تحریر کی جائے۔ قرآن مجید میں صراحت کے ساتھ اس کا حکم ہے: "مومنو! جب تم آپس میں کسی میعاد معین کے لیے قرض کا معاملہ کرنے لگو تو اس کو لکھ لیا کرو۔ اور لکھنے والا تم میں سے کسی کا نقصان نہ کرے بلکہ انصاف سے لکھے جیسا کہ خدا نے اسے سکھایا ہے، اور وہ لکھنے سے انکار نہ کرے اور دستاویز لکھ دے۔ اور جو شخص قرض لے وہی (دستاویز کا) مضمون بول کر لکھوائے اور خدا سے جو اس کا مالک ہے، خوف کرے اور زر قرض میں سے کچھ کم نہ لکھوائے۔ اور اگر قرض لینے والا بے عقل یا ضعیف ہو یا مضمون لکھوانے کی قابلیت نہ رکھتا ہو، تو جو اس کا ولی ہو وہ انصاف کے ساتھ مضمون لکھوائے" (البقرۃ ۲: ۲۸۲)۔ قرض کی تحریری دستاویز گواہوں کی موجودگی میں ہونا چاہیے، جیسا کہ قرآن حکیم میں ارشاد باری ہے: "اپنے میں سے دو مردوں کو (ایسے معاملات میں) گواہ کر لیا کرو اور اگر دو مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں جن کو تم گواہ پسند کرو (کافی ہیں) کہ اگر ان میں سے ایک بھول جائے گی تو دوسری اسے یاد دلا دے گی۔ اور جب گواہ (گواہی کے لیے) طلب کیے جائیں تو وہ انکار نہ کریں۔ اور قرض تھوڑا ہو یا بہت اس (کی دستاویز) کے لکھنے یا لکھانے میں کاہلی نہ کرنا، یہ خدا کے لیے بھی بہت درست طریقہ ہے۔ اس سے تم کو کسی طرح کا شک و شبہ بھی نہیں پڑے گا۔ ہاں اگر سودا دست بدست ہو جو تم آپس میں لیتے ہو تو اگر (ایسے معاملے کی) دستاویز نہ لکھو تو تم پر کوئی گناہ نہیں--- اور کاتب، دستاویز اور گواہ (معاملہ کرنے والوں کا) کسی طرح کا نقصان نہ کریں، اگر تم ایسا کرو

گے تو یہ تمھارے لیے گناہ کی بات ہے--- اور اگر تم سفر میں ہو اور (دستاویز) لکھنے والا نہ مل سکے تو (کوئی چیز) رہن باقبضہ رکھ کر (قرض لے لو) اور اگر کوئی کسی کو امین سمجھے (یعنی رہن کے بغیر قرض دے دے) تو امانت دار کو چاہیے کہ صاحب امانت کی امانت ادا کر دے اور خدا سے جو اس کا پروردگار ہے ڈرے۔ اور (دیکھنا) شہادت کو مت چھپانا جو اس کو چھپائے گا وہ دل کا گنہگار ہو گا اور خدا تمھارے سب کاموں سے واقف ہے" (البقرۃ ۲: ۲۸۲)۔

میت کے ترکہ سے قرض کی ادایگی کا حکم

قرض کی ادایگی ایک لازمی امر ہے جو کہ بعد از مرگ بھی واجب الادا باقی رہتا ہے۔ اس کی ادایگی میت کے ترکے میں سے کی جانا چاہیے۔ ارشاد باری ہے: کہ "اور اگر (ورثا) ایک سے زیادہ ہوں تو سب ایک تہائی میں شریک ہوں گے (یہ حصے بھی) بعد ادائے وصیت اور قرض' بشرطیکہ ان سے میت نے کسی کا نقصان نہ کیا ہو (تقسیم کیے جائیں گے)۔ یہ خدا کا فرمان ہے اور خدا نہایت علم والا اور نہایت حلم والا ہے" (النساء ۴: ۱۲)۔

حضرت ابو رافعؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آدمی سے ایک اونٹنی ادھار خریدی۔ جب صدقے کے اونٹ آئے تو حضرت ابو رافعؓ کو آپؐ نے حکم دیا کہ اس کا قرض ادا کر دو۔ میں نے کہا یارسولؐ اللہ! یہ ساری اونٹنیاں بہت زیادہ قیمتی ہیں اور بہت بہتر ہیں۔ آپؐ نے فرمایا: یہی دے دو۔ بہترین آدمی وہی ہے جو قرض اچھا ادا کرے (مسلم)۔ اگر مقروض خود بخود قرض ادا کرتے وقت قرض سے زیادہ دے تو یہ جائز ہے لیکن اگر قرض خواہ قرض دیتے وقت یہ شرط طے کرے کہ میں تجھ سے زیادہ لوں گا' یا قرض بہتر لوں گا تو یہ سود ہو گا اور یہ حرام ہے۔ حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ رسولؐ اللہ نے فرمایا کہ: "ہر قرض جو نفع کھینچ کر لائے وہ سود ہے" (بلوغ المرام' کتاب البیوع)۔

قرض کی واپسی کی اہمیت کا اندازہ اس ایمان افروز واقعے سے بہ خوبی ہو جانا چاہیے۔ حضرت سعد بن اطولؓ کے بھائی فوت ہو گئے۔ جوان بھائی کی بیوہ اور چھوٹے چھوٹے یتیم بچوں کی پہاڑ سی زندگی سامنے نظر آ رہی تھی اور آپؓ کے ہاتھ میں صرف تین سو اشرفیاں تھیں اور اتنی وسعت تھی نہ استطاعت' کہ بھائی کی بیوہ اور بچوں کا بوجھ اٹھا سکتے۔ اب مخمصہ اور پریشانی یہ تھی کہ ان اشرفیوں کو بچوں کی ضروریات کے لیے سنبھال رکھیں یا ان قرض خواہوں کو ادا کر دیں جن سے بھائی نے ادھار لیا تھا اور ادا نہیں کیا تھا۔ کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اس معاملے کو کیسے سلجھائیں۔ سب کچھ چھوڑ کر اشرفیاں ساتھ لیں اور آنحضورؐ کی خدمت میں جا حاضر ہوئے۔ حضرت سعد بن اطولؓ کی الجھن کو سن کر آپؐ ایک لمحے کے لیے بھی سوچ میں نہ پڑے اور فرمایا: "سعد! تیرا بھائی جنت میں داخلے سے صرف اس قرض کی وجہ سے روک دیا گیا ہے۔ کیونکہ کسی آدمی پر قرض ہو اور ادا نہ کیا گیا ہو' تو وہ تب تک جنت میں نہیں جا سکتا جب تک اس بوجھ سے آزاد نہ ہو جائے۔ جاؤ پہلے جا کر بھائی کا قرض ادا کرو۔ رہا یتیموں کی کفالت کا معاملہ' تو وہ اس ذات

پر چھوڑ دو جس نے انھیں یتیم بنایا ہے"۔

اللہ کے رسولؐ نے کسی مقروض کی نماز جنازہ اس وقت تک نہ پڑھائی جب تک کہ اس کا قرض ادا نہ کر دیا گیا۔ حضرت ابوقتادہؓ کہتے ہیں، ایک آدمی نے پوچھا: اے اللہ کے رسولؐ! اگر میں اللہ کی راہ میں قتل کر دیا جاؤں، تو کیا میرے گناہ معاف ہو جائیں گے؟ آپؐ نے فرمایا: "ہاں، اگر تم قتل کر دیے جاؤ اور صبروشکر اور خدا کی رضا کی طلب میں مگن رہو، آگے کی صفوں میں بڑھ چڑھ کر حملے کرو اور پیچھے نہ ہٹو"۔ پھر آپؐ نے پوچھا: تم نے کیا کہا؟" اس نے اپنا سوال دہرایا تو آپؐ نے جواب دیا: "تمھارے گناہ معاف ہو جائیں گے البتہ قرض معاف نہیں ہو گا" (مسلم)۔ صحابی رسولؐ حضرت ابودرداؓ جب جہاد کی گزرگاہوں کے کسی ناکہ پر پہنچتے تو مجاہدین کو خطاب کر کے ہانک لگاتے: "اے لوگو! جن کے ذمے قرض باقی ہیں اور انھیں یہ احساس ہو کہ اگر وہ جہاد میں کام آگئے، تو ان کے قرض کی ادائیگی نہ ہو سکے گی، تو وہ لوٹ جائیں۔ اس لیے کہ یہ چیز (یعنی جہاد) انھیں جہنم سے بچانے کے لیے کافی نہ ہو گی"۔ حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ: "ایک آدمی ہم میں سے فوت ہو گیا۔ ہم نے اس کو غسل دیا، خوشبو لگائی اور کفن دیا۔ پھر ہم نبیؐ کے پاس آئے۔ ہم نے کہا: یارسولؐ اللہ! چل کر اس کا جنازہ پڑھایئے۔ آپؐ نے چند قدم اٹھائے، پھر فرمایا: "اس پر قرض بھی تھا؟ ہم نے کہا دو دینار تھے۔ آپؐ واپس آگئے۔ قرض کی ادائیگی حضرت ابوقتادہؓ نے اپنے ذمے لے لی۔ ہم پھر آپؐ کے پاس آئے۔ حضرت ابوقتادہؓ نے کہا: یارسولؐ اللہ! وہ دو دینار میں ادا کروں گا، آپؐ نے پوچھا: "قرض خواہوں کو دے کر میت کو اس سے بری کرتے ہو؟" انھوں نے کہا: ہاں۔ پھر آپؐ نے اس کی نماز جنازہ پڑھائی" (احمد، ابوداود، نسائی، ابن حاکم اور ابن حبان)۔

اس حدیث سے پانچ باتیں معلوم ہوئیں: پہلی یہ کہ قرض خواہ تھوڑا ہی کیوں نہ ہو، ہر حالت میں واجب الادا ہے۔ دوسری یہ کہ میت کی طرف سے قرض کی ضمانت درست ہے، تیسری یہ کہ میت کے حقوق واجبہ مثلاً نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ اور قرض وغیرہ کو ادا کرنے سے میت کو فائدہ پہنچتا ہے۔ چوتھی یہ کہ قرض یا دوسرے حقوق العباد جب تک ادا نہ کیے جائیں یا صاحب حق یا قرض خواہ معاف نہ کر دے، یہ کبھی ساقط نہیں ہوتے حتیٰ کہ مرنے کے بعد بھی ساقط نہیں ہوتے۔ پانچویں یہ کہ قرض ایک بدترین لعنت ہے۔ اول تو قرض لینے سے گریز کیا جائے لیکن اگر مجبوری کی وجہ سے لے لے تو فوراً ادا کرنے کی فکر کرے، اور لاپرواہی سے کام نہ لے۔

اللہ تبارک و تعالیٰ اور نبی آخرالزمانؐ نے مومنین کو حقوق اللہ کی ادائیگی اور اہتمام کا جس قدر تاکید سے حکم فرمایا ہے، اسی قدر حقوق العباد کی ادائیگی اور اہتمام کا بھی تاکید سے حکم فرمایا ہے۔ ایک مومن، اگر حقوق اللہ کی ادائیگی میں کوتاہی اور غفلت برتتا ہے تو مغفرت طلب کرنے پر، ممکن ہے اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ درگزر کا معاملہ فرمائے، لیکن حقوق العباد خصوصاً آپس کے لین دین میں کوتاہی پر سخت وعید کا حکم فرمایا ہے۔ ارشاد باری ہے: "مومنو! ایک دوسرے کے مال ناحق مت کھاؤ... اور اپنے آپ کو ہلاک نہ کرو... اور

جو تعدی اور ظلم سے ایسا کرے گا ہم اس کو عنقریب جہنم میں داخل کریں گے اور یہ خدا کو آسان ہے" (النساء ۲۹-۳۰)۔

اسلام نے جن چیزوں کا سب سے زیادہ اہتمام کیا ہے اور جن کی تکمیل کی اہمیت بتائی ہے ان میں سے ایک قرض کی ادائیگی بھی ہے۔ یہ اللہ کے نزدیک اہم ہے۔ اسلام نے ان تمام وساوس اور طمع اور حرص کے پھندوں پر قینچی چلا دی ہے جو قرض دار کو اپنا شکار بنا لیتے ہیں اور جس کے نتیجے میں وہ ٹال مٹول سے کام لینے لگتا ہے یا اسے ہڑپ کر جانے کی فکر میں مبتلا رہتا ہے۔ سب سے پہلے یہ تلقین ہے کہ قرض کسی ناگزیر ضرورت کے پیش آنے پر ہی لیا جائے۔ اور کسی ایسے معاملے میں قرض کا خواہش مند ہونا جس سے بچنا ممکن ہو، ایک نہایت خوفناک معاملہ ہے جس سے ہر ممکن طریقے پر پرہیز کرنا چاہیے، بلکہ ایک روایت میں آتا ہے کہ "یہ ان گناہوں میں سے ہے جن سے قصاص لازم آتا ہے"۔

رسولؐ اللہ نے فرمایا کہ: "قرض دار جب مرجائے گا تو قیامت کے دن اس سے قصاص لیا جائے گا۔ البتہ تین صورتوں میں قرض لینے کی اجازت ہے۔ ایک، وہ آدمی جس کی قوت اللہ کی راہ میں لڑتے لڑتے ماند پڑ جائے تو وہ اللہ کے اور اپنے دشمنوں کے خلاف تیاری کرنے کے لیے قرض لے لے۔ دوسرا، وہ شخص جس کے پاس کسی مسلم کی میت آجائے تو وہ اس کی تجہیزو تکفین کے لیے قرض لینے پر مجبور ہو جائے۔ تیسرا، وہ شخص جس کو غیر شادی شدہ رہنے کا اندیشہ ہو تو قرض لے کر وہ اپنے دین اور ایمان کو بچانے کے لیے نکاح کرے۔ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں سے قیامت کے دن ان کی مجبوریوں کے سبب درگزر کا معاملہ فرما سکتا ہے اور قرض خواہوں کے بدلے کے طور پر اپنی طرف سے انعام سے نواز سکتا ہے" (ابن ماجہ)۔ ایک روایت میں ہے کہ اللہ کے رسولؐ نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ قیامت کے دن قرض دار کو بلائے گا یہاں تک کہ اسے اپنے سامنے کھڑا کرے گا۔ پھر اس سے کہا جائے گا، اے آدم کے بیٹے تو نے کس مقصد کے لیے یہ قرض لیا تھا اور کیوں تو نے انسانوں کے حقوق ضائع کر دیے؟ تو وہ جواب دے گا: اے ہمارے رب، تو جانتا ہے کہ میں نے قرض لیا تھا لیکن میں نے اسے نہ کھایا، نہ پیا، نہ پہنا، نہ برباد کیا لیکن کبھی تو آتش زدگی کا حادثہ ہو گیا، کبھی چوری ہو گئی، یا وہ برباد ہو گیا اور اس میں خسارہ ہو گیا۔ اللہ کہے گا: میرے بندے نے سچ کہا۔ میں تیری ادائیگی کا زیادہ حق رکھتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ کچھ نیکیوں کو منگوائے گا اور انھیں میزان کے پلڑے میں رکھ دے گا، تو اس کی نیکیاں اس کی برائیوں پر بھاری پڑ جائیں گی اور وہ اپنے رب کی رحمت سے جنت میں داخل ہو جائے گا" (احمد)۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کی معذرت قبول کر لے گا جو سخت حالات کی وجہ سے قرض لینے پر مجبور ہوئے اور کمر توڑ مصائب کی وجہ سے اس کی ادائیگی سے عاجز رہے۔ لیکن جو شہوات کے بندے اور مرغوبات کے غلام ہیں اور ان کا مال شہوتوں کی تکمیل کی اجازت نہیں دیتا تو وہ فوراً قرض لینے کے لیے لپکتے ہیں، نہ اس کے انجام کی پروا ہوتی ہے اور نہ قرض سے چھٹکارا پانے کی فکر، تو ایسا شخص احادیث کے بیان کے مطابق ڈاکو اور بے باک چور ہے۔

جو قوم محنت کر کے مال کمانے کے بجائے ہمیشہ گداگری کے طریقے سوچتی ہے وہ ہمیشہ ذلیل و رسوا ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اور انسانوں کے نزدیک بھی قناعت، قابل اکرام عادت ہے۔ بخل اور گداگری کو سبھی حقیر اور ذلیل تصور کرتے ہیں۔ ہمیں ذرا اپنے حالات پر نظر ڈالنا چاہیے کہ عالمی اداروں اور دوسری اقوام سے قرضے کس کس طرح حاصل کیے جاتے ہیں۔ یہ گداگری کی ایک شکل ہے جس سے اسلام اور اسلام لانے والے اللہ کے آخری نبیؐ نے منع فرمایا ہے۔ ان قرضوں کی بدولت آج ہم کتنے لاچار ہیں، اور قومی قرضوں کی وجہ سے ہم غیر مسلموں کی شرائط کو تسلیم کرنے پر مجبور ہیں۔ دراصل تقریباً تمام حکومتوں نے اسلامی طرز حیات کو اپنانے سے گریز کی جو راہ اختیار کی ہے، یہ اس کی سزا ہے۔ اب بھی اگر اسلام کو اجتماعی زندگی میں اختیار اور نافذ کیا جائے تو ہماری حالت بدل سکتی ہے۔

افسوس کہ آج ہم میں سے بہت سے لوگ، انفرادی اور اجتماعی (ہر دو صورتوں میں) قرض کو کھیل تماشا سمجھتے ہیں اور بطن و فرج کے تقاضے پورا کرنے، یا نفسانی خواہشات کی تکمیل کے لیے اور عادتاً یا بطور فیشن قرض یا ادھار لیتے ہیں۔ ان میں سے بعض اپنے پاس، گھر یا بنک اکاؤنٹ میں رقم موجود ہونے کے باوجود قرض لیتے ہیں (کہ اپنا موجودہ مال بھی کم نہ ہو)، جب کہ بعض واضح طور پر سودی شرائط کو قبول کرتے ہوئے قرض لیتے ہیں اور پھر حسب وعدہ واپس نہیں کرتے بلکہ بار بار کے مطالبات کے باوجود قرض لیے ہوئے مال سے اپنے وسائل، کاروبار اور مال و دولت کو ترقی دینے کی تگ و دو میں مگن رہتے ہیں اور یہ کوشش کرتے ہیں کہ قرض خواہ، فرد ہو یا حکومت، مجبور یا دیوالیہ ہو جائے، خود تماشا دیکھتے رہتے ہیں اور قرض واپس کرنا خلاف شان سمجھتے ہیں۔ بعض لیڈران قوم، قومی خزانہ، مالیاتی اداروں اور بنکوں سے ملک اور عوام کی ترقی کے نام پر بڑے بڑے قرضے حاصل کر کے ہڑپ کر جاتے ہیں اور ادائیگی کے بجائے قرضے معاف کروا لیتے ہیں اور یوں اس کھیل میں شریک تمام فریق، باقی ماندہ غریب عوام کے حقوق پر کھلم کھلا ڈاکا ڈالنے کے مرتکب ہوتے ہیں۔ کیونکہ معاف کیے ہوئے قرضے غریب عوام سے مزید ٹیکسوں کی صورت میں وصول کر لیے جاتے ہیں۔

اللہ کے رسولؐ نے اپنے آخری خطبہ (خطبۂ حجتہ الوداع) میں قرض سے متعلق یوں فرمایا: "لوگو! اللہ نے ہر حق دار کو اس کا حق خود دے دیا۔ اب کوئی کسی وارث کے لیے وصیت نہ کرے۔ قرض قابل ادائیگی ہے اور عاریتاً لی ہوئی چیز واپس کرنی چاہیے۔ تحفے کا بدلہ دینا چاہیے اور جو کوئی کسی کا ضامن ہے وہ تاوان ادا کرے۔ کسی کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ اپنے بھائی سے کچھ لے سوائے اس کے جس پر اس کا بھائی راضی ہو اور وہ خوشی خوشی دے۔ خود پر اور ایک دوسرے پر زیادتی نہ کرو"۔ حضرت ابوحمید ساعدیؓ سے روایت ہے کہ رسولؐ اللہ نے فرمایا: "کسی آدمی کو جائز نہیں کہ اپنے بھائی کی ایک چھڑی بھی اس کی رضامندی کے بغیر لے لے" (ابن حبان)۔

لوگوں میں سے بعض، اگر قرض لیتے ہیں تو حسب وعدہ واپس بھی لوٹاتے ہیں، جب کہ بعض مسکین

بن کر لیتے ہیں مگر قانون کے کوڑے یا دھینگا مشتی اور لڑائی جھگڑے کے بغیر واپس نہیں کرتے۔ اور ایسی صورت میں بسااوقات کوئی ایک فریق اپنی زندگی کی بازی ہار جاتا ہے۔ بعض شقی القلب مقروض رقم کی واپسی کے بجائے مشکل راستے اختیار کرتے ہیں' یہاں تک کہ وہ اپنے محسن کی زندگی کا چراغ گل کرنے میں بھی عار محسوس نہیں کرتے۔ چونکہ ادھار محبت کی قینچی ہے' لہٰذا کسی ایک فریق کی ذرا سی لاپرواہی کے باعث فریقین کے درمیان قائم دیرینہ تعلقات ہمیشہ کے لیے ختم ہو سکتے ہیں۔ بعض لوگ یک مشت رقم واپس کرنے کے بجائے قرض کی رقم کے منافع وغیرہ سے بالاقساط ادائگی کی کوشش کرتے ہیں تاکہ اصل رقم بھی اپنے ہی پاس رہے۔ ایسے تمام افراد وعدہ خلافی' جھوٹ' دھوکا اور خود غرضی جیسے گناہوں' جنھیں آنحضورؐ نے منافقین کی نشانیوں سے تعبیر فرمایا ہے' کے مرتکب ہوتے رہتے ہیں۔ حدیث مبارکہ میں ارشاد ہے کہ "ایک مومن دوسرے مومن کا بھائی ہے اور وہ اپنے بھائی کے لیے بھی وہی پسند کرے جو وہ اپنے لیے پسند کرتا ہے"۔ لیکن قرض لوٹانے کی فکر کرنے کے بجائے ہم اپنے بھائی کو جس سے قرض لیا تھا' اذیت میں مبتلا کیے رکھتے ہیں اور اس کے مسائل اور تکالیف کا احساس نہیں کرتے۔

جو شخص دنیا میں کسی کا قرض ادا نہیں کرتا تو قیامت کے روز اس کی نیکیاں قرض خواہوں میں تقسیم کر دی جائیں گی اور قرض خواہوں کے گناہ اس مقروض کے ذمے ڈال دیے جائیں گے۔ لہٰذا ہمیں حتی الامکان قرض لینے سے اجتناب برتنا چاہیے اور اگر قرض لینے کی نوبت آ ہی جائے تو حسب وعدہ واپسی کا اہتمام کرنا چاہیے اور اس بات کا خیال رہے کہ ضرورت کے وقت جو آپ کو قرض دیتا ہے اس کا یہ حق ہے کہ آپ کسی عذر یا بہانے سے ادائگی میں تاخیر نہ کریں۔ وعدہ خلافی کا ارتکاب گناہ کبیرہ ہے۔ انسان ارادے کرہ' نیک نیت ہو' تو اللہ تعالیٰ غیب سے بھی مدد فرماتا ہے۔ جو لوگ بدنیت ہوتے ہیں اور وقت پر ادا کرنے کی نیت نہیں رکھتے' یا جان بوجھ کر قرض ادا نہیں کرتے یقیناً وہ آخرت کو بھولے ہوئے ہیں اور اللہ کی پکڑ سے بے خوف ہیں۔ ایسے لوگوں کو اللہ تعالیٰ ان کے حال پر چھوڑ دیتا ہے اور وہ قرض کا بوجھ لیے اللہ کے حضور پہنچ جاتے ہیں۔

قرض' پریشانیوں اور دوسری وباؤں سے بچنے کے لیے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے درج ذیل دعا کی تلقین فرمائی ہے۔ آپ بذات خود بھی اس دعا کا کثرت سے ورد فرمایا کرتے تھے: اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنَ الْھَمِّ والْحُزْنِ وَالْعَجزِ وَالْکَسَلِ والْبُخْلِ وَالْجُبْنِ وَغَلَبَۃِ الدَّیْنِ وَقَھْرِ الرِّجَالِ (اے میرے پروردگار' میں تیری پناہ چاہتا ہوں--- پریشانی' دکھ' تکلیف اور سستی' اور بخل اور جبن سے اور قرض کے بوجھ سے اور آدمیوں کے غضب سے)۔

ہمیں چاہیے کہ اپنے اہل و عیال اور اقارب کو بھی قرض کے مضمرات سے آگاہ کریں اور خود بھی اس سے پرہیز کی کوشش کریں۔

۲۰ ویں صدی

احیائے اسلام کی صدی!

☆

۲۱ ویں صدی

غلبہ اسلام کی صدی!!

☆

سید مودودیؒ کے انقلابی لٹریچر نے امت مسلمہ کے
نوجوانوں کو عزائم اور خواب دیے اور راہ عمل دکھائی

معاشرت' سیاست' معیشت' تربیت' تزکیہ ہر دائرے میں رہنمائی

مکمل لٹریچر کے لیے لکھیے

زبان خنجر جو چپ رہے گی

سقوط مشرقی پاکستان پر ایک تاثر

رئیسہ عزیز

ناانصافی ہو تو محرومی کا احساس لازمی ہے۔ حق تلفی ہو تو انتشار پھیلتا ہے۔ ظلم ہو تو بغاوت سر اٹھاتی ہے۔ یہ قدرت کا بنایا ہوا اٹل قانون ہے۔ عمل اور ردعمل کے اس قانون کو ظلم و جور سے مٹایا نہیں جا سکتا۔

پاکستان کے قاتل ہم ہی تو ہیں۔ یہ چھوٹا سا جملہ اپنے اندر بڑی گہرائی اور گیرائی لیے ہوئے ہے۔ اس پر بہت کچھ کہا اور سنا جا سکتا ہے۔ لیکن ایک سرسری جائزے سے پہلے ہمیں اس بات کا اعتراف کر لینا چاہیے کہ--- قتل اسی کو نہیں کہتے کہ سر تن سے جدا کر دیا جائے--- اور زندگی اس کو نہیں کہتے کہ تار نفس باقی رہ جائے۔

زہر کی بہت سی قسمیں ہوتی ہیں:

زہر کی ایک قسم وہ ہوتی ہے جس کا ایک قطرہ بھی بہت سی جانوں کو تلف کرنے کے لیے کافی ہوتا ہے۔

زہر کی ایک قسم وہ ہوتی ہے جسے بوند بوند کر کے جسم میں داخل کیا جاتا ہے۔

زہر کی ایک قسم وہ ہوتی ہے جو ذہنی اور جسمانی طور پر مفلوج اور ناکارہ بنا دیتی ہے۔

زہر کی ایک قسم وہ ہوتی ہے جس کو پینے والے زہر سمجھ کر نہیں بلکہ آب حیات سمجھ کر خود پیتے ہیں۔

زہر کی ایک قسم وہ بھی ہوتی ہے جو انسانی جسم میں فاسد مادہ دیر تک جمع رہ جانے کی صورت میں پھوٹ پڑتا ہے اور رگ و پے میں سرایت کر جاتا ہے۔ کبھی یہ جان لیوا ثابت ہوتا ہے۔ کبھی یہ کسی جسم کو اس کے عضو سے محروم کر دیتا ہے کہ انسان زندہ تو رہتا ہے لیکن اپاہج اور معذور ہو جاتا ہے--- "کیا وہ زندہ ہے؟؟"

اور وہ افراد جن کے حلق میں بوند بوند کر کے زہر ٹپکایا جا رہا ہو اور یہ زہر بتدریج ان کو عقل و فہم، دانائی و بینائی اور سعی و عمل کی صلاحیتوں سے بیگانہ کرتا جا رہا ہو--- "کیا وہ زندہ ہیں؟"

زہر کی وہ قسم جس کو پینے والے خود پیتے ہیں اور آب حیات سمجھ کر پیتے ہیں، خواہ وہ ہیروئن ہو، چرس ہو، افیون ہو، شراب ہو، یا حرص و ہوس کی بھٹی پر کشید کیے ہوئے عیش و عشرت، جاہ و منزلت اور اقتدار کے جام ہوں--- "کیا وہ زندہ ہیں؟"

انسانی زندگی کو تلف کرنے والے یا ناکارہ بنانے والے، قوم و ملت کو ضمیر فروشی پر آمادہ کرنے والے، آزادی کی نعمت کو ٹھکرانے اور غلامی کی زنجیروں کو خوش نما بنانے والے، زندگی کو موت اور موت کو زندگی کے فریب میں مبتلا کرنے والے زہر کی اور بھی بہت سی قسمیں ہیں۔ لیکن اس وقت ہمارے اپنے احتساب کے لیے یہی بہت کافی ہیں۔

پاکستان کا ایک بازو ٹوٹ گیا۔ مشرقی پاکستان، بنگلہ دیش بن گیا اور ہم یہ کہہ کر بری الذمہ ہو گئے کہ روس اور بھارت کی سازش تھی--- مگر یہ نہ سوچا کہ:

یہ سازشیں سرحد توڑ کر اندر داخل کیسے ہوئیں؟

ہماری قوت مدافعت کو فروخت کس نے کیا؟

پاک فوج کے وقار اور عزت و ناموس کے پرچم کو سرنگوں کس نے کیا؟

پاکستان کی سالمیت اور اسلام کی عظمت کو سربازار نیلام کس نے کیا؟

یہ سوال ہم کسی اور سے نہیں خود اپنے آپ سے کر رہے ہیں۔ اور ہمیں خود ہی اس کا جواب دینا ہے۔ ہم کسی اور کا گریبان نہیں پکڑ سکتے۔ لیکن خود اپنے گریبانوں میں منہ ڈال کر اپنے سینوں پر جلی حرفوں میں لکھا ہوا نامۂ اعمال تو پڑھ سکتے ہیں۔

عصبیت اور حق تلفی کا وہ زہر جو بوند بوند کر کے سابق مشرقی پاکستان کے معصوم، ان پڑھ اور غربت زدہ عوام کے حلق میں ہم نے خود ٹپکایا تھا، اس نے ان کے ذہنوں کو ماؤف اور قوت فیصلہ سے محروم کر دیا، دوست دشمن کی تفریق کو مٹا دیا۔ وہ قوم جب عقل و ہوش سے بیگانہ ہو گئی تو خود اپنے پیروں پر چل کر اپنے مقتل میں پہنچ گئی۔ اپنے خون سے دشمن کو سرخرو کیا اور بہنوں کی آبرو سربازار نیلام ہو گئی۔

آزادی کا سودا غلامی سے کر لیا۔ اپنی خوش حالی کو بیچ کر فاقہ کشی خرید لی۔

وہ ساری زندگیاں جو اس ہولناک سانحے کی نذر ہو گئیں ان کا قاتل کون ہے؟

اسلام کی مشعل کو بجھانے کے لیے طوفان باد و باراں کون بن گیا؟

نور ایمان سے روشن سینوں میں زہر آلود قطرے اتارنے کا مجرم کون ہے؟

"ہم ہی تو ہیں"۔

اس المیے کو ۲۸ سال گزر چکے ہیں۔ نہ اس وقت ہماری پیشانی عرق آلود تھی، نہ آج ہے۔
نہ اس وقت ہمیں اپنے خسارے کا ملال تھا نہ آج ہے۔ نہ اس وقت ہمیں یوم حساب کا اندیشہ تھا نہ آج ہے۔

ہمارے کلب، ہماری تفریح گاہیں، ہمارے سینما ہال، ہمارے محل اور ہمارے ایوان اس وقت بھی روشن قہقہوں سے جگمگا رہے تھے، آج بھی جگمگا رہے ہیں۔ ہمارے نعمت خانے اس وقت بھی نعمتوں سے معمور تھے، آج بھی ہیں اور سب سے اہم بات یہ ہے کہ زہر ہلاہل کی وہ ساری قسمیں جو اس وقت ہمارے پاس تھیں، آج بھی ہیں۔

کشمیر کی تحریک تو تائید غیبی اور سرفروش مجاہدوں کے جذبۂ جہاد کے باعث زندہ ہے ورنہ اس کی حمایت میں بیانات کی یکسانیت اور طفل تسلیاں، مذاکرات کے لامتناہی سلسلے اور دشمنوں کی استہزائی تنقید اور دعوے، زخموں پر نمک پاشی کے سوا کچھ نہیں۔

شہیدوں کے لہو، ماؤں کی آہ فغاں اور بیٹیوں کی فریاد سے چشم پوشی کرنے والے کون ہیں؟

"ہم ہی تو ہیں"۔

ذرا تاریخ کے اوراق پلٹ کر دیکھیے:

جب خلافت نے ملوکیت کا لبادہ زیب تن کر لیا تھا۔ اسلام کے پرچم کا رنگ بدلنا شروع ہو گیا تھا۔ جذبۂ جہاد کو کشور کشائی اور ہوس اقتدار نے مجروح کرنا شروع کر دیا تھا۔ اس وقت بھی ہماری غیرت اور حمیت کا یہ عالم تھا کہ سندھ کے ساحلوں سے ایک عورت کی فریاد نے حجاج بن یوسف جیسے ظالم اور جابر حکمراں کو بے تاب کر دیا تھا۔ اور محمد بن قاسم سمندروں کا سینہ چیرتا ہوا سندھ کے ساحل پر اس ظلم کا حساب چکانے آپہنچا تھا۔

اس نے فاصلوں کا حساب نہیں لگایا تھا۔

اپنی فوجی طاقت کا اندازہ نہیں کیا تھا۔

فوجی کمک اور رسد کے امکانات سے بے نیاز ہو کر آیا تھا۔

اور تاریخ اس بات پر بھی گواہ ہے کہ حجاج بن یوسف کی مصلحتیں اور نیت خواہ کچھ بھی رہی ہو، محمد بن قاسمؒ جیسا جواں سال مجاہد، اسلام کی غیرت اور حمیت کو للکارنے والوں کا حساب بے باق کرنے آیا تھا۔ اور اس کے اس ارادے میں نہ سمندر حائل ہوا نہ غریب الوطنی نے اس کی ہمتیں پست کیں۔ نہ وہ کمک اور رسد کے مسدود راستوں سے دل شکستہ ہوا۔ اس مقام اور اس واقعے کو بھی ہم نے "باب الاسلام" کا بڑا خوب صورت نام دے دیا ہے لیکن اس "باب الاسلام" سے جو اسلام داخل ہوا تھا اس کا شیرازہ بکھیرنے والے، اسے مجروح کرنے والے، اسے الفاظ و معانی کے جال میں الجھانے والے کون ہیں؟

"ہم ہی تو ہیں"۔

ہماری یہ خود نوشت ابھی ختم نہیں ہوئی، اور ہم خود اپنے لہو سے جو نامۂ اعمال لکھ رہے ہیں اس کا کھاتا ابھی بند نہیں ہوا، اور نہ ہی اس کو بند کرنے کا اختیار ہمارے پاس ہے۔ اسے تو وہ بند کرنے والا ہی بند کرے گا جو صاحب اختیار و اقتدار ہے۔

اس سرزمین پاک پر ہم نے اسلام کا جو قلعہ تعمیر کرنے کا عہد کیا تھا، اس کی فصیلیں تو منہدم ہو گئیں لیکن عمارت کی بنیادیں اتنی مستحکم ہیں کہ اس کی اینٹ سے اینٹ بجانے کے لیے ہمیں بڑی جانفشانی کرنی پڑی۔ اس کے لیے ہم نے اپنی نوجوان نسل کو برآمد کرنا شروع کر دیا۔

ہماری ذہانت، ہمارا علم، ہماری صلاحیت، ہمارا ہنر، ہمارے ڈاکٹر، ہمارے انجینئر، ہمارے حساب داں، ہمارے فلسفی، ہمارے سائنس داں، ہمارے مکینک، ہمارے محنت کش--- سب کو ہم نے زرمبادلہ کے عوض فروخت کر دیا۔

وہ بازو جو قلعے کی فصیلوں کو دوبارہ تعمیر کر سکتے تھے۔

وہ ذہانتیں جو ملک کی سیاست کو صحیح رخ پر موڑ سکتی تھیں۔

وہ علم جو ہمارے ملک سے جہالت کی تاریکی کو دور کر سکتا تھا۔

وہ ہنر جو قوم و ملت کی تعمیر نو میں مدد و معاون ہو سکتا تھا۔

وہ صلاحیتیں جو اسلام کے قلعے کو اغیار کی یلغار سے بچا سکتی تھیں۔

ہم نے اپنی ساری افرادی طاقت کو ہوس زر کا زہر دے کر جلاوطن کر دیا اور ملک کو افراط زر کی تباہ کاریوں سے اپنی بنیادوں کو کھوکھلا کرنے پر مجبور کر دیا۔ قوم کے جو معمار یہاں رہ گئے تھے ان پر روزگار کے دروازے کس نے بند کیے تھے؟ وہ جو علم کی دولت سے جھولیاں بھر بھر کر واپس آئے تھے انھیں الٹے قدموں لوٹ جانے پر مجبور کر دینے والے کون تھے؟

"ہم ہی تو تھے"۔

وہ زرمبادلہ جس کی خاطر ہم نے اپنا لہو فروخت کر دیا اس سے ہماری معیشت مستحکم ہوئی یا نہیں ہوئی، یہ ایک الگ سوا[illegible]۔ لیکن اس نے ہماری معاشرت، ہمارے دین اور ایمان کی دھجیاں ضرور بکھیر دیں۔

خاندانوں کا شیرازہ بکھیرنے والے، بیوی کو شوہر سے جدا کرنے والے، بچوں کو باپ کی شفقت سے محروم کر کے گمراہی کے گڑھے میں دھکیلنے والے، بوڑھے ماں باپ کو عصائے پیری سے اور اولاد کو خدمت کی سعادت سے محروم کرنے والے کون ہیں؟

"ہم ہی تو ہیں"۔

ملک کو افراط زر کی تباہ کاریوں سے دوچار کرنے والے، سامان تعیش کی بہتات، تن آسانی، خود غرضی

اور خود پرستی کو معیار زندگی بنانے والے کون ہیں؟

"ہم ہی تو ہیں"۔

ہمارے اس اقدام سے ایک طرف تو نام نہاد سیاست دانوں اور ارباب اقتدار کے راستے صاف ہو گئے، جو کمزور و ناتواں اور کم فہم بچ رہے انھیں حسب منشا استعمال کرنے کی راہیں ہموار ہو گئیں۔ کسی مزاحمت کا اندیشہ نہ رہا اور جو صاحب صلاحیت، دانشور، باضمیر، مخلصین وطن، اسلام کے محافظ یہاں باقی رہ گئے ہیں ان کی تعداد اتنی کم ہے کہ وہ احتجاج تو کر سکتے ہیں--- ظلم کی کلائی مروڑنے کی طاقت نہیں رکھتے۔

انھیں مغلوب کرنے والے، انھیں معتوب کرنے والے، ان کی سعی و عمل کو بے برگ و بار کرنے والے، سیاست و اقتدار کو خاندانی ورثہ بنانے اور جاگیرداروں اور سرمایہ داروں کو عنان حکومت سونپنے والے کون ہیں؟

"ہم ہی تو ہیں"۔

ہمارے وہ کوہ کن جنھیں یہاں دودھ کی نہریں بہانی تھیں، ہمارے وہ غواص جنھیں سمندر کی اتھاہ گہرائیوں سے سچے موتی نکالنے تھے، جنھیں ریگستانوں کو سیراب کرنا تھا۔ ہمارے وہ بازو جنھیں اسلام کا پرچم بلند کرنا تھا۔ ہمارے وہ دانش ور جنھیں زندگی کے جدید تقاضوں کو دین سے ہم آہنگ کرنا تھا، انھوں نے اپنا وزن ترازو کے اس پلڑے میں ڈال دیا ہے جو پہلے ہی اسلام کو بے وزن کرنے پر کمربستہ ہے۔

اگر انھیں جانا ہی تھا تو کاش ہم نے انھیں خالد بن ولیدؓ بنا کر بھیجا ہوتا--- طارق بن زیادؒ بنا کر بھیجا ہوتا--- صلاح الدین ایوبیؒ بنا کر بھیجا ہوتا--- محمد بن قاسمؒ بنا کر بھیجا ہوتا--- یا وہ اصحاب صفہ کی تاریخ دہراتے ہوئے یہیں کسی سائبان میں پڑے ہوتے۔ جو کچھ میسر آتا اسی سے پیٹ کی آگ بجھا لیتے۔ کچھ نہ ملتا تو فاقوں سے جلا ملتی، علم دین کی روشنی بکھیرتے۔

ظاہر بیں آنکھیں ان کے کاہیدہ جسموں کو مٹتا ہوا دیکھتیں۔ لیکن درحقیقت وہ لافانی بن جاتے اور ہماری آیندہ نسلیں ان کی بے نفسی کی داستان سنہری حرفوں سے لکھتیں---!

اے کاش! --- اے کاش!

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

"اس مہینے (ماہ رمضان) میں چار باتیں کثرت سے کیا کرو۔ دو تو ایسی ہیں کہ تم ان سے اللہ تعالیٰ کو خوش کر دو گے اور دو ایسی ہیں کہ تم کو بھی ان سے چارہ نہیں ہے۔۔۔ وہ دو باتیں جن سے تم اللہ کو خوش کر دو گے' وہ تو یہ ہیں کہ اس مہینے میں کثرت سے کلمہ شہادت واستغفار پڑھا کرو' اور وہ دو باتیں جو تمھارے لیے بہت ضروری ہیں' وہ یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ سے جنت طلب کیا کرو اور دوزخ سے پناہ مانگا کرو۔

پاکستان میں خواتین کا مستقبل؟

خواتین کمیشن رپورٹ پر ایک نظر

پروفیسر ثریا بتول علوی ٭

جدید دور نے مسلم خواتین کے لیے جو مسائل پیدا کیے ہیں وہ غور و فکر کا موضوع ہیں اور ان پر لکھا جا رہا ہے۔ خواتین کمیشن کو اپنی اساسی قرارداد کی رو سے مسائل کا حل قرآن و سنت کے مطابق پیش کرنا تھا۔ اس کمیشن نے مسائل کو کس نقطۂ نگاہ سے دیکھا ہے' اس کا ایک مفصل جائزہ محترمہ پروفیسر ثریا بتول علوی صاحبہ نے پیش کیا ہے۔ یہ رسالہ ۴۵ صفحات کے اس مقالے کی مکمل اشاعت کا متحمل نہیں ہو سکتا تھا۔ اس لیے ہم نے تمہید اور اختتام برقرار رکھتے ہوئے' دس ابواب کے باب وار جائزے میں سے بیشتر حصہ حذف کر کے نمونے کے لیے کچھ حصہ لیا ہے۔ یہ مکمل مقالہ مختصر کتاب کی شکل میں منشورات' منصورہ' لاہور سے دستیاب ہے۔ پاکستان کی نئی حکومت خواتین کے معاملے پر سرگرم محسوس ہوتی ہے اور بجا طور پر اندیشہ ہے کہ خواتین کمیشن کی یہ رپورٹ ہی لائحہ عمل نہ بن جائے۔ اس لیے ضروری ہے کہ اس کے مکمل جائزے کا مطالعہ کیا جائے۔ (مدیر)

اگست ۱۹۹۷ میں خواتین کمیشن پاکستان کی رپورٹ شائع ہوئی جس میں کمیشن نے پاکستان میں خواتین کی حالت زار بیان کر کے ان کی اصلاح و بہتری کے لیے اپنی دانست کے مطابق سفارشات پیش کیں۔

پاکستانی خواتین کے مسائل اور ان کا حل تجویز کرنے والے اس کمیشن کا قیام ۲۵ ستمبر ۱۹۹۴ کو سینیٹ کی ایک قرارداد کے ذریعے عمل میں آیا تھا۔ یہ قرارداد پیپلز پارٹی کے جناب یحییٰ بختیار نے پیش کی تھی۔ قرارداد کا بنیادی مقصد مارشل لا دور میں جاری ہونے والے' خواتین سے متعلق صدارتی آرڈی نینسوں کا جائزہ لینا تھا کیونکہ ان کے بقول "یہ قوانین خواتین کے لیے غیر مناسب تھے اور پاکستان کے لیے بدنامی

٭ پروفیسر گورنمنٹ کالج برائے خواتین' سمن آباد' لاہور۔

کا باعث بن رہے تھے"۔ ان کا مطالبہ یہ تھا کہ "خواتین کے لیے ایک اعلیٰ سطحی کمیشن قائم کیا جائے جو نہ صرف غیر مناسب قوانین کی تبدیلی کے لیے سفارشات پیش کرے بلکہ ان ذرائع و وسائل سے بھی بحث کرے جو ان سفارشات کے نفاذ کی ضمانت بن سکیں"۔ بحث کے دوران جماعت اسلامی کے نائب امیر اور سینیٹر پروفیسر خورشید احمد نے دو مزید تجاویز کی طرف توجہ دلائی: (۱) صرف مارشل لا دور کے قوانین ہی کو زیر بحث نہ لایا جائے، بلکہ خواتین سے متعلق تمام قوانین کا از سرنو جائزہ لیا جائے۔ (۲) صورت حال کی بہتری کے لیے قرآن و سنت کی روشنی میں تمام سفارشات پیش کی جائیں۔ ان کی یہ دونوں تجاویز تھوڑے رد و کد کے بعد قبول کر لی گئیں۔

متفقہ طور پر منظور ہونے والی قرارداد کے الفاظ یہ تھے:

یہ ایوان سفارش کرتا ہے کہ ایک اعلیٰ اختیاراتی کمیشن قائم کیا جائے جس میں علما، ماہرین قانون اور نمایندہ خواتین شامل ہوں، اور سپریم کورٹ کے ایک جج اس کمیشن کے چیئرمین نامزد کیے جائیں۔ یہ کمیشن تمام قوانین کا، جو آرڈی ننس یا کسی اور ذریعے سے نافذ ہوئے ہوں، جائزہ لے گا کہ وہ خواتین کے حقوق، رہن سہن اور ان کی سماجی و قانونی حیثیت پر کس حد تک اثر انداز ہوتے ہیں۔ پھر وہ ایسے اقدامات تجویز کرے جن کے ذریعے ان قوانین کو قرآن و سنت کے مطابق بنایا جا سکے۔

وفاقی حکومت نے ایک حکم نامے کے ذریعے ۱۹ اکتوبر ۱۹۹۴ کو اس کمیشن کے قیام کا اعلان کیا۔ ابتدا میں اس کمیشن کے پانچ ارکان تھے: ۱۔ جسٹس سعد سعود جان (چیئرمین)۔ ارکان: ۲۔ سینیٹر یحییٰ بختیار ۳۔ سینیٹر جاوید اقبال ۴۔ بیگم عاصمہ جہانگیر ۵۔ مولانا محمد طاسین۔ مگر عورتوں کی مختلف نمایندہ تنظیموں نے اس پر اعتراض اٹھایا کہ کمیشن میں عورتوں کی نمایندگی بہت کم ہے۔ چنانچہ اس میں مزید خواتین کو نمایندگی دی گئی۔ ۱۹۹۶ میں جسٹس سعد سعود جان اقوام متحدہ میں چلے گئے تو جسٹس ناصر اسلم زاہد اس کمیشن کے چیئرمین نامزد ہوئے۔ از سرنو تشکیل پانے والے کمیشن کی یہ شکل بنی: جسٹس ناصر اسلم زاہد، چیئرپرسن (چیئرمین کے بجائے)، سینیٹر یحییٰ بختیار، سینیٹر مسعود کوثر، بیگم عاصمہ جہانگیر، مولانا محمد طاسین، بیگم شاہین سردار علی، بیگم شہلا ضیا، بیگم شہباز جاوید، سینیٹر بیگم فضہ جونیجو، بیگم ریحانہ سرور، بیگم انیسہ زیب۔ اس کمیشن کے ارکان پر سرسری نگاہ ڈالنے سے ہی اندازہ ہو جاتا ہے کہ اس میں صرف ایک عالم دین کو نمایندگی دی گئی ہے اور ایک مخصوص مکتبہ فکر کی سات خواتین کو نامزد کیا گیا ہے۔

تین سال تک اس کمیشن کی کئی نشستیں ہوئیں۔ کئی دوسرے لوگوں سے بھی ضروری مشورے لیے گئے، بالآخر اگست ۱۹۹۷ میں حکومت نے یہ رپورٹ جاری کر دی۔ آغاز میں اس کمیشن کی تشکیل کا یہ مقصد بیان کیا گیا تھا کہ اس کی تمام سفارشات قرآن و سنت کے مطابق ہوں گی۔ رپورٹ کے مقدمے میں جسٹس ناصر اسلم زاہد نے بھی یہ لکھا ہے کہ "برعظیم پاک و ہند میں عورت مظلوم ہے۔ گھریلو معاملات میں مرد

حاوی ہے۔ عورت کو انصاف نہیں ملتا۔ یہی صورت حال زندگی کے دیگر معاملات میں بھی ہے---- آخر وہ کہاں تک احتجاج کر سکتی ہے۔ اسلام نے اسے جو حقوق دیے ہیں' ان کے بارے میں بھی عوام الناس میں بڑے مغالطے پائے جاتے ہیں کہ وہ عورتوں کو صرف گھر کی چار دیواری تک محدود رکھتا ہے اور باہر نکل کر ملازمت یا اپنا کاروبار کرنے سے روکتا ہے حالانکہ قرآن و حدیث نے تو اس کو اونچا مقام دیا ہے"۔ اس طرح گویا وہ یہ دعویٰ کر رہے ہیں کہ کمیشن کی تمام سفارشات قرآن و سنت کی حدود کے اندر ہیں' اس کے برعکس یا مخالف نہیں ہیں (خواتین کے بعض اجلاسوں میں جسٹس ناصرا سلم زاہد نے یہ چیلنج بھی کیا کہ ان کے کمیشن کی کسی سفارش کو قرآن و سنت کے خلاف ثابت کیا جائے)۔

اس نقطۂ نظر سے رپورٹ کی سفارشات کا جائزہ لیا جائے تو صورت حال یکسر مختلف نظر آتی ہے۔ پوری رپورٹ میں بار بار جس بات کا اعادہ کیا گیا ہے اور ابتدا ہی میں جس مقصد کو اپنی غرض و غایت بتایا گیا ہے وہ یہ ہے کہ ہم آج کی دنیا میں الگ تھلگ نہیں رہ سکتے۔ دوسری اقوام کے شانہ بشانہ چلنے کے لیے ہمیں اپنے قوانین کو ان کے مطابق بنانا ہو گا۔ خصوصاً اس لیے بھی کہ پاکستان خواتین کے بین الاقوامی کنونشن مثلاً "سی ڈا" (Cedaw) (خواتین کے متعلق ہر قسم کے امتیاز کے خلاف اقوام متحدہ کا کنونشن' "Convention of U.N.O on the elimination of all kinds of discrimination against women" ' اس دستاویز کو جنرل اسمبلی نے ۱۹۷۹ میں پاس کیا تھا) اور اقوام متحدہ کے دیگر پروگراموں پر دستخط کر چکا ہے۔ اس کمیشن نے اس طرح صاف لفظوں میں بتا دیا کہ اس کمیشن کا مقصد اقوام متحدہ اور دوسرے عالمی اداروں کے پروگرام پر عمل درآمد کی راہ ہموار کرنا ہے۔ اس کمیشن نے خواتین کے لیے کام کرنے والی رضاکار تنظیموں یعنی این جی اوز کو بھی خراج تحسین پیش کیا ہے۔ ان میں سے بیش تر تنظیمیں وہ ہیں جو ۱۹۸۰ کے عشرے میں غیر ملکی سرمائے سے قائم ہوئیں۔ ان تنظیموں کا مقصد ہی یہ تھا کہ مغرب کی بے خدا ثقافت اور کلچر کو وطن عزیز کے کونے کونے تک پہنچا دیں۔ اس رپورٹ کو مرتب کرنے والی خواتین کا بھی یہی مقصد معلوم ہوتا ہے۔

سپریم کورٹ کے جج کی سربراہی میں قائم کیے گئے خواتین کے حقوق سے متعلق اس کمیشن نے جو سفارشات پیش کی ہیں' وہ مذکورہ بالا حقیقت کا زندہ ثبوت ہیں۔ بطور نمونہ چند سفارشات ملاحظہ ہوں:

- بیوی کی مرضی کے بغیر ازدواجی تعلق کو قابل سزا جرم (marital rape) قرار دیا جائے (ص ۷۵)۔
- عورت کو ۱۲۰ دن کا حمل ساقط کرانے کا حق حاصل ہونا چاہیے (ص ۵۸)۔
- عورت کو شوہر کی مرضی کے بغیر نس بندی آپریشن کرانے کی اجازت دی جائے (ص ۹۵)۔
- کم عمر بیوی سے اس کی مرضی کے بغیر ازدواجی تعلق قائم کرنے کو زنا قرار دیا جائے (ص ۶۱' ۷۵)۔

ان سفارشات کو دیکھ کر یہ محسوس ہوتا ہے کہ یہ وطن عزیز میں اقوام متحدہ کی زیر سرپرستی قاہرہ کانفرنس (۱۹۹۴) اور بیجنگ کانفرنس (۱۹۹۵) کے آزادی نسواں کے پروگراموں ہی کو آگے بڑھانے کا ایک باضابطہ پروگرام ہے۔ ان کا ایجنڈا اس کے سوا اور کیا ہے کہ حقوق نسواں اور مساوات مرد و زن کے دل فریب نعروں کے پردے میں مغرب کی بے حیائی اور فحاشی اور ان کی تہذیب و ثقافت کو مسلم ممالک میں زبردستی مسلط کر دیا جائے۔

یہ کمیشن دراصل پیپلزپارٹی کی بے نظیر بھٹو صاحبہ کے دور حکومت میں بنا تھا۔ وہ خود شعائر اسلامی کا مذاق اڑاتی رہتی ہیں۔ اسی لیے اس قسم کی خواتین اس کمیشن میں لی گئیں۔ ان کی روح رواں عاصمہ جہانگیر' بنیادی انسانی حقوق کمیشن پاکستان کی چیئرپرسن اور پاکستان میں اس نام نہاد "رضاکار" تنظیم کی تنخواہ دار ملازم ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ ان کا مقصد صرف اقوام متحدہ کو راضی کرنا ہے۔ اس لیے وہ اللہ کو راضی کرنے اور قرآن و سنت کی پیروی کے بجائے اقوام متحدہ کے کنونشن اور عالمی معاہدوں کی پابندی کو اپنا شعار سمجھتی ہیں۔ آخر دنیا کا وہ کون سا ملک ہے جس نے اقوام متحدہ کے تمام معاہدوں پر دستخط کیے ہوں اور ان کی پابندی بھی کی ہو۔ امریکہ نے ۶۰ معاہدوں میں سے ابھی تک صرف ۱۵ پر دستخط کیے ہیں۔ اگر پاکستان ان میں سے کسی معاہدے کو اپنے ملی و ملکی تقاضوں کے برعکس سمجھتے ہوئے اس پر دستخط نہ کرے تو کون سی قیامت آ جائے گی۔ بہرحال عاصمہ جہانگیر اور اسی مکتبہ فکر کی مزید چھ خواتین (کل سات) نے مل کر جو کارنامہ انجام دینا تھا' یعنی اسلامی جمہوریہ پاکستان کی اسمبلی کے فلور سے خواتین سے متعلق ایک ایسی رپورٹ تیار کر دینا' جس کی بیشتر دفعات قرآن و سنت سے متصادم ہیں' وہ یہ کام کرنے میں کامیاب ہو گئی ہیں۔

کمیشن میں صرف ایک عالم دین تھے' مولانا محمد طاسین صاحب' انھوں نے "عائلی قوانین' خاندانی منصوبہ بندی' تعدد ازدواج اور خواتین اور معاشی سرگرمیاں" کے چار عنوانات کے تحت تین صفحات پر مشتمل ایک اختلافی نوٹ لکھا ہے۔ وہ لکھتے ہیں: "اس رپورٹ میں جو تجاویز مرتب اور پیش کی گئی ہیں' ان میں سے زیادہ تر ایسی ہیں جن سے مجھے پورا اتفاق ہے۔ میں اپنے اسلامی علم و فہم کے مطابق جو قرآن و حدیث پر مبنی ہے' نہ کہ کسی خاص فقہ پر' ان تجاویز کو صحیح سمجھتا ہوں۔ البتہ کچھ تجاویز ایسی بھی ہیں' جن سے مجھے اتفاق نہیں' اختلاف ہے' جس کا اظہار میں نے اپنے بعض اختلافی نوٹس میں دلائل کے ساتھ کر دیا ہے اور وہ اس رپورٹ میں شامل ہیں"۔

رپورٹ میں کچھ تجاویز معقول بھی ہیں۔ جیسے کام کرنے والی عورتوں کے تحفظ کے لیے خصوصی قوانین بنانے کی ضرورت تاکہ خواتین کو تحفظ مل جائے اور ہر قسم کے جنسی استحصال سے وہ محفوظ رہیں' یا عورتوں کو ملازمت اور روزگار دلانے کے مواقع زیادہ کرنا۔ مگر یاد رہے کہ عورتوں کی تعلیم و تربیت اور روزگار وغیرہ سب کچھ شرعی حدود کے اندر رہنا چاہیے۔

راقمہ سے محدود علم کی بنا پر کچھ لغزشیں ہو سکتی ہیں۔ یہ ضروری ہے کہ اس پوری رپورٹ پر اسلامی نظریاتی کونسل میں بحث ہو، اس کی غیر شرعی اور غیر اسلامی سفارشات کو مسترد کیا جائے اور شرعاً درست اور معقول تجاویز پر اسمبلی میں قانون سازی کر کے ان کو وطن عزیز میں نافذ کیا جائے تاکہ حقیقتاً خواتین کی حالت روبہ اصلاح ہو۔

(اس کے بعد مصنفہ نے رپورٹ کے دس ابواب کا تفصیلی جائزہ پیش کیا ہے ا۔ دستور، ۲۔ سیاسی امور میں شرکت، ۳۔ شہریت، ۴۔ عائلی قوانین، ۵۔ محنت اور ملازمت کے قوانین، ۶۔ فوجداری قوانین، ۷۔ قانون شہادت، ۸۔ عورتوں پر تشدد، ۹۔ ترقی کے حقوق، ۱۰۔ اداروں کی اصلاح اور نئے اداروں کا قیام۔ ہم صرف پہلے باب کا جائزہ پیش کر رہے ہیں)۔

باب ۱: دستور

★ کمیشن، دستور میں ہر جگہ بنیادی حقوق کے ضمن میں جنسی امتیاز کے خاتمے کی سفارش کرتا ہے۔

○ کمیشن "قرارداد مقاصد" کو دستور کا حصہ بنانے پر معترض ہے۔ اس کے خیال میں قرارداد مقاصد کو دستور کے اندر شامل کرنا خود بانیان پاکستان کا مقصود نہ تھا۔ وہ تو اس کو صرف گائیڈ لائن کی حیثیت دینا چاہتے تھے۔

○ کمیشن دستور میں دیے گئے بنیادی حقوق کی دفعات تک کو اقوام متحدہ کے کنونشن "سی ڈا" کی دستاویز میں دیے گئے الفاظ کے مطابق تبدیل کرنے کی سفارش کرتا ہے۔ یعنی وہ اس شق کا خصوصی اضافہ چاہتا ہے کہ تمام قوانین جنسی امتیاز سے بالا ہوں گے (ص ۲)۔ حالانکہ یہ دفعہ دستور پاکستان میں پہلے سے موجود ہے لیکن کمیشن شاید اس سے مطمئن نہیں۔

○ کمیشن کو دستور میں اظہار رائے کی آزادی کے ضمن میں تہذیب اور اخلاقیات (decency and morality) کے الفاظ تک گوارا نہیں ہیں۔ وہ ان الفاظ کو نکال دینے کی سفارش کرتا ہے (ص ۳)۔

○ کمیشن آٹھویں ترمیم کی ان دفعات کو بھی ختم کرنے کی سفارش کرتا ہے جنھوں نے ۱۹۷۳ کے "آئین کا حلیہ بگاڑ" کر رکھ دیا ہے اور عورتوں کے خلاف امتیازی قوانین بنائے ہیں (ص ۷)۔

○ کمیشن اسلامی نظریاتی کونسل میں بھی عورتوں کی مناسب نمایندگی کا خواہاں ہے (ص ۶)۔

○ کمیشن وفاقی شرعی عدالت کو غیر ضروری سمجھتے ہوئے اس کو ختم کرنے کی سفارش کرتا ہے۔ اس کے خیال میں اس سے بھی عورتوں اور اقلیتوں کے حقوق بری طرح متاثر ہوتے ہیں (ص ۷)۔

○ کمیشن، مسلح افواج اور پولیس میں بھرتی کے لیے عورتوں کے خلاف کسی قسم کا امتیاز برقرار رکھنا نہیں چاہتا۔ وہ چاہتا ہے کہ ان اداروں میں عورتوں کی کھلی شمولیت ہونی چاہیے (ص ۲)۔

○ کمیشن عدلیہ میں بھی خواتین کو برابری کی بنیاد پر نمایندگی دینے کی سفارش کرتا ہے (ص ۷)۔

○ دستور میں دی گئی حصول تعلیم کی آزادی کے تحت کمیشن سفارش کرتا ہے کہ ہر قسم کے تعلیمی اداروں کے دروازے خواتین کے لیے کھول دیے جائیں (ص ۳)۔
○ کمیشن سفارش کرتا ہے کہ غیر مسلموں کے لیے جداگانہ انتخابات کا طریقہ ختم کر کے مخلوط انتخابات کا طریقہ رائج کیا جائے (ص ۷)۔

❑ دستور کے ضمن میں پیش کی گئی سفارشات اور ترمیمات کو دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ کمیشن وطن عزیز میں ہر جگہ مغربی تہذیب کے زیر اثر مخلوط معاشرے کو رواج دینا چاہتا ہے۔ اسی لیے وہ وفاقی شرعی عدالت کو ختم کرنا چاہتا ہے۔ خواتین کے لیے ہر قسم کی تعلیم کے دروازے کھول دینا اور ہر محکمے میں ملازمت کے لیے کھلے مواقع دینا-- کیا یہ قرآن و سنت کا منشا ہے؟ اور کیا خواتین واقعی مسلح افواج اور پولیس اور عدلیہ میں اسی طرح موزوں اور کارآمد ہیں جیسے مرد؟ اگر ایسا ہے یا ہو سکتا ہے تو خود مغربی ممالک میں ان میدانوں میں عورتوں کی ملازمت کی شرح کیا ہے؟

جہاں تک اسلامی نظریاتی کونسل میں عورتوں کی نمایندگی کا مسئلہ ہے تو جو عورت عالم باعمل ہے وہ اس کی نمایندہ بن سکتی ہے۔ اس پر کسی کو اعتراض نہیں۔ ظاہر ہے کہ اسلامی نظریاتی کونسل میں دین کا فہم رکھنے والی عورت ہی آئے گی۔

اسلام تو مرد اور عورت دونوں کی جسمانی ساخت اور فطری صلاحیتوں کے پیش نظر دونوں کے دائرہ کار کا تعین کرتا ہے۔ اسلام کا موقف یہ ہے کہ مرد اور عورت اپنی اپنی جسمانی ساخت اور طبعی صفات کی بنا پر الگ الگ مقصد کے لیے تخلیق کیے گئے ہیں۔ عورت کا دائرہ کار بنی نوع انسان کی بقا' بچوں کی پرورش اور تربیت اور گھرداری ہے' جب کہ مرد کا دائرہ کار اپنے بیوی بچوں کے لیے روزی کمانا اور ملک و معاشرے کے معاملات کو چلانا ہے۔

عورت اگر گھر کے اندر رہے تو وہ ماں' بہن' بیوی' بیٹی کی حیثیت سے باعزت مقام کی مالک ہے لیکن اگر گھر سے نکل کر مردوں کے دوش بدوش کھڑی ہونے لگے تو اس کا وہی انجام ہو گا جو اس وقت مغربی خواتین کا ہو رہا ہے۔ عورت کا صنف نازک ہونا اس کو گھر کے اندر تو گھر کی ملکہ بناتا ہے مگر یہی وصف گھر کے باہر کی پر مشقت زندگی میں اس کو حقیر' بے وقعت اور بے بس بنا کر رکھ دیتا ہے۔ وہ مردوں جیسے کام نہیں کر سکتی۔ اس لیے ناکام ہو کر رہ جاتی ہے اور خاندانی نظام الگ برباد ہوتا ہے' جو بہت بڑا نقصان ہے۔

"بنیادی حقوق" کی اصطلاح ایک اضافی اصطلاح ہے۔ ہر معاشرہ اپنے ملک کی مخصوص نظریاتی بنیادوں اور سماجی قدروں کی روشنی میں اپنے لیے حقوق کا تعین کرتا ہے۔ امریکہ و یورپ کی جدید جمہوری ریاستیں اپنے بنیادی حقوق کا ماخذ اپنی جمہوری "قدروں" کو دیکھتی ہیں۔ پاکستان جیسی اسلامی نظریاتی ریاست میں بنیادی حقوق

کا تعین اسلامی احکامات کی روشنی میں کیا جانا ضروری ہے۔ اسلامی ریاست میں قرآن و سنت سے متصادم کسی بنیادی حق کا تصور نہیں۔ لہٰذا پاکستان میں بنیادی حقوق کو اسلام کی روشنی میں متعین کیا جائے گا' نہ کہ مغرب کے بنیادی حقوق کے فلسفے کی روشنی میں۔ ملک میں سپریم لا قرآن و سنت ہے اور ان بنیادی حقوق کی دفعات بھی آئین پاکستان کی اسلامی دفعات کے تابع ہیں ان سے برتر یا ماورا نہیں ہو سکتیں۔

کمیشن بار بار اصرار کرتا ہے کہ آئین پاکستان میں دیے گئے بنیادی حقوق کو اقوام متحدہ کے چارٹر سے ہم آہنگ کیا جائے' یا "سی ڈا" کے مطابق کیا جائے۔ ان کا یہ مطالبہ آئین کی اسلامی روح کو ختم کرنے کے مترادف ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کا سارا زور حدود قوانین اور وفاقی شرعی عدالت کے خاتمے پر ہے۔

ہماری عدالتوں کے جج صاحبان کی پوری تربیت مغربی تعلیم کے زیر اثر ہوتی ہے۔ وہ مغرب کے آئین و قانون کو جتنا جانتے ہیں' قرآن و سنت اور مسلمان فقہا کی عظیم فقہی آرا کے ذخیرے سے اتنا واقف نہیں ہوتے۔ سیکولر تعلیم کے زیر اثر وہ کسی ایسے موضوع پر فیصلہ دینے سے ہچکچاتے ہیں جہاں ان کے فیصلے پر مغربی ذرائع ابلاغ کی طرف سے تنقید کا احتمال ہو۔ سپریم کورٹ کے فاضل جج جسٹس ناصر اسلم زاہد کی سربراہی میں قائم عورتوں کے تحقیقاتی کمیشن کی سفارشات سامنے آنے کے بعد یہ حقیقت مزید واضح ہو گئی ہے۔ کیا تحقیقاتی کمیشن کی عورتوں سے متعلق بے شمار سفارشات اسلامی احکام سے متصادم نہیں ہیں؟ کیا مساوات مرد و زن کا فتنہ اور مادر پدر آزاد مخلوط معاشرے کے قیام کا مطالبہ آئین پاکستان کے بنیادی حقوق کی فہرست میں شامل کیا جا سکتا ہے؟

☆ کمیشن کی سفارش ہے کہ آرٹیکل ۱۱ میں غلامی اور جبری مشقت کے ضمن میں عورتوں پر ہر قسم کی عصمت فروشی اور جنسی استحصال پر پابندی شامل کی جائے۔

□ یہ تجویز بڑی معقول ہے لیکن کمیشن اس کے متعلق ٹھوس اور حتمی سفارشات پیش نہیں کر سکا' بلکہ اس نے عصمت فروشی کے اڈوں اور بازاروں میں گناہ اور ذلت کی زندگی بسر کرنے والی ہزاروں لڑکیوں کی اصلاح کے لیے کوئی تجویز پیش نہیں کی۔ درحقیقت ان کو آبرو مندانہ زندگی گزارنے کے قابل بنانا اور ان مکروہ اڈوں کا آہنی ہاتھوں سے قلع قمع کرنا حکومت کے فرائض میں شامل ہے۔

مجموعی تاثرات و مجوزہ سفارشات

□ کمیشن کی ۱۸۰ صفحے کی پیش کردہ رپورٹ کا لب لباب یہ ہے کہ پاکستانی آئین میں سے حدود قوانین نکال دیے جائیں۔ وفاقی شرعی عدالت ختم کر دی جائے اور پاکستان کے عائلی قوانین میں اقوام متحدہ اور دوسرے مغربی ممالک کے قوانین شامل کیے جائیں۔ اسقاط حمل کو جائز قرار دینے کی

سفارش، مرد و عورت کو یکساں وراثت دینے کی سفارش، اسلامی سزائیں ختم کرنے کی سفارش، بیوی کی مرضی کے برعکس جنسی وظیفہ ادا کرنے پر اس کو ازدواجی زنا (marital rape) قرار دے کر سزا دلوانے کی سفارش، عورت کی شہادت اور دیت مرد کے برابر قرار دینے کی سفارش، ہر جگہ مرد کے ساتھ ساتھ عورت کو بھی ولی بنانے کا تذکرہ۔ غیر مسلموں کے لیے مخلوط انتخابات کی سفارش، پھر مذہب کا لحاظ کیے بغیر ان کے ساتھ رشتے ناطے کرنے کی سفارش۔ غرض کس کس بات کا ذکر کیا جائے۔ یہ ساری سفارشات قرآن و سنت سے متصادم ہیں۔ اس طرح کمیشن بنیادی طور پر اپنی وہ ذمہ داری پوری کرنے میں ناکام رہا جس کے لیے اسے تشکیل دیا گیا تھا۔ اسے تو صرف قرآن و سنت کی بنیاد پر قوانین کا جائزہ لینا تھا اور ان تمام امور کی نشان دہی کرنا تھی جو قرآن و سنت کے منافی ہیں۔ جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ رپورٹ بدنیتی پر مبنی ہے۔ قرآن و سنت کے نام پر اپنے مغربی افکار و نظریات کا پرچار کیا گیا ہے۔ لہٰذا یہ حکومت کی ذمہ داری ہے کہ وہ قرآنی احکام اور اسلامی احکام کی توہین کرنے والوں کا نوٹس لے۔ پھر انھوں نے خلاف اسلام کام کے لیے سرکاری خزانے سے جو خطیر رقم وصول کی ہے وہ بھی ان سے واپس لی جائے۔ اگر یہ اقدام نہ کیا گیا تو پھر یہ لوگ پروپیگنڈے کے زور پر اور بیرونی آقاؤں کی مدد سے ہمارے عائلی قوانین اور قانون حدود و تعزیرات میں نقب لگانے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ جو پاکستان کی نظریاتی اسلامی ریاست کے لیے تباہی و بربادی کا پیغام ہو سکتا ہے۔

مرد اور عورت کا تعلق: رپورٹ میں مرد و عورت کو دو ایسے مدمقابل حریف ثابت کیا گیا ہے جو ہر وقت آستینیں چڑھائے ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کی کوشش میں مصروف ہیں۔ خاندان کا کوئی سربراہ نہیں۔ کوئی بات ماننے والا نہیں۔ میں بھی رانی، تو بھی رانی، کون بھرے گا پانی والا نقشہ نظر آتا ہے۔ یہ دراصل ہمارے خاندانی نظام پر ضرب کاری لگانے کی سازش ہے۔ اسلام کا خاندانی نظام جو پوری دنیا میں بہترین سمجھا جاتا ہے، اس کو برباد کرنے کی سفارشیں اور مشورے ہو رہے ہیں تاکہ یہاں بھی مغرب جیسا مادر پدر آزاد معاشرہ قائم ہو جائے، جہاں جنسی ہوس خوفناک اور سنگین مسائل پیدا کر دے۔

حقیقت یہ ہے کہ مسلمان شریف اور باحیا خواتین تو اپنے مردوں کو اپنا ہمدرد اور غم گسار سمجھتی ہیں۔ وہ ان کے مہربان باپ، محبوب شوہر، فرزند دل بند اور برادر مکرم ہیں۔ وہ ان کے محافظ اور نگران ہیں۔ ان کے اوپر خرچ کرنے والے ہیں، اور ان کے ولی ہیں۔ عورتیں مردوں کے بغیر غیر مکمل اور مرد عورتوں کے بغیر غیر مکمل ہیں۔ اگر مرد اپنے بیرونی کاموں کی بنا پر عزت اور تکریم پاتا ہے تو عورت اپنے گھریلو کاموں کی بنا پر احترام اور وقار کی حق دار بنتی ہے۔ شریعت نے دونوں کا اجر اور ثواب اپنے اپنے دائرہ کار اور اعمال کی بنا پر برابر رکھا ہے۔

دنیا کے حقوق اور آخرت کے ثواب میں دونوں کے درمیان کوئی فرق نہیں۔ زندگی کا نظام چلانے میں

دونوں برابر کے شریک ہیں۔ تاہم فطری اور حیاتیاتی فرق کا لحاظ رکھتے ہوئے اسلام نے دونوں کے درمیان تقسیم کار کا اصول رکھا ہے نہ کہ یکسانیت کار کا اصول۔

تقسیم کار کا اصول: ایک مصنف کے بارے میں اگر کہا جائے کہ وہ انسانیت کی بڑی خدمت اس وقت کر سکتا ہے جب اسے مطالعہ کے کمرے سے نکال کر کشتی کے اکھاڑے میں کھڑا کر دیا جائے' تو یہ ایک احمقانہ حرکت ہو گی۔ جس کا نتیجہ اس مصنف کا بھی نقصان ہے اور انسانیت بھی اس کی تصنیفی خدمات سے محروم رہ جائے گی۔ یہی بات مرد و عورت کے بارے میں بھی صحیح ہے۔ جسم میں آنکھ جیسا نازک حصہ بھی ہے اور ناخن جیسا سخت حصہ بھی۔ ہم نہیں کہہ سکتے کہ ناخن جسم کی زیادہ خدمت کر رہا ہے اور آنکھ جسم کی کم خدمت کر رہی ہے۔ اسی طرح عورت گھر کے اندر رہ کر اپنی فطری ذمہ داریاں جس انداز سے پوری کر سکتی ہے' اسی سے وہ قوم کو بہتر فائدہ پہنچا سکتی ہے۔ پھر اس کی اندرون خانہ ذمہ داریاں کسی طرح بھی مرد کی بیرونی خدمت سے کم نہیں ہیں بلکہ مرد کی ذمہ داریوں سے کچھ زیادہ ہی اہم ہیں۔ گھروں میں سکون نہ ہو تو باہر مرد کیسے کام کر سکیں گے؟

عورت کی ترقی کا مطلب: عورت کو ترقی دینے کا یہ راز نہیں کہ اس کو زندگی کے ہر میدان میں داخل کر دیا جائے بلکہ اس کی ترقی کا اصل راز اس کو باشعور بنانا ہے۔ عورت جتنی صاحب علم اور باشعور ہو گی اتنی خوش اسلوبی سے وہ تعمیر قوم میں اپنا حصہ ڈال سکے گی۔ اگر عورت باشعور ہے تو گھر کے اندر رہ کر شوہر کو سکون اور اولاد کو بہترین تربیت دے کر وہ بڑے بڑے کام سرانجام دے سکتی ہے۔ اور اگر وہ بے شعور ہے تو اُس کو چوراہے میں کھڑا کر دیا جائے تب بھی وہ کوئی بڑا کام نہیں کر سکتی۔ تقسیم کار کے اصول کے تحت اگرچہ عورت گھر کے اندر ہوتی ہے مگر وہ ذہنی اور قلبی طور پر اپنے شوہر' باپ' بھائی اور بیٹے کی شریک کار ہوتی ہے' جو بیرون خانہ ذمہ داریاں انجام دیتا ہے۔ عورت کا مرد سے بہت گہرا اور جذباتی تعلق ہے۔ وہ اس کی مشیر اور غم خوار ہے۔ زندگی کے ہر معاملے کو کنٹرول کر رہی ہے۔ ۵۰ فی صد گھر میں رہ کر براہ راست اور ۵۰ فی صد معاملات میں بالواسطہ طور پر۔ زندگی کی تعمیر میں عورت کا کردار بھی اتنا ہی اہم ہے جتنا مرد کا۔ اس کا انحصار اس بات پر نہیں کہ جسمانی طور پر عورت کو کہاں کھڑا کیا گیا ہے' بلکہ اس بات پر ہے کہ اس کو کتنا باشعور بنایا گیا ہے۔ لہٰذا ضروری ہو گیا ہے کہ عورت کی تعلیم کا بندوبست کیا جائے۔ اس کی مناسب تربیت کی جائے۔ اس کو اپنی ذمہ داریوں کا اور اپنے حقوق کا شعور دیا جائے۔ اپنے جسم کی سجاوٹ اور اپنے میک اپ کی نمود و نمائش کے بجائے زیور حیا سے مزین کیا جائے۔

خواتین کے حقوق کے بارے میں کمیشن نے جو مثبت سفارشات پیش کی ہیں' ان پر ہمدردانہ غور کرنے اور مناسب تجاویز کو بروے کار لانے کے لیے اقدامات کرنا ضروری ہیں۔ وہ معاشرے کا آدھا حصہ ہیں' ان کے مصائب اور شکایات کا ازالہ کرنا' ان کو حقوق و فرائض کا شعور دینا اور اسلامی احکام کے مطابق بہترین

اخلاقی تربیت دینا' ضروری ہے۔ عورت ماں بھی ہے۔ وہ ماں کی حیثیت سے بہت زیادہ عظمت و احترام کی مستحق ہے۔ اس لیے اگر عورت کے مسائل اور مشکلات سے صرف نظر کی گئی' تو مغرب کی طرح اسے آہستہ آہستہ اسلام اور موجودہ معاشرے سے نفرت ہو جائے گی اور وہ بغاوت کر دے گی۔ آئے روز لڑکیاں گھروں سے بھاگ کر دارالامان میں پہنچ رہی ہیں۔ یہ اس جانب پیش قدمی ہے۔ ضرورت ہے کہ حکومت' علما' دانشور سب مل کر عورت سے روا رکھے جانے والے ظلم و استحصال کا جائزہ لیں۔ اس کی دینی و اخلاقی تربیت کا وسیع پیمانے پر بندوبست کریں۔ جگہ جگہ ترجمہ قرآن کی کلاسیں قائم کی جائیں۔ شریعت اسکول اور شریعت کالج قائم کر کے عورت کو اسلام کی مطلوب مومنہ کا کردار ادا کرنا سکھایا جائے۔ بے پردہ اور مخلوط معاشرت کو ختم کر کے عورت کے استحصال کی راہیں بند کی جائیں۔ جنسی آسودگی کے لیے مناسب وقت پر بچیوں کی شادیاں کی جائیں۔ بلاوجہ تاخیر نت نئے مسائل جنم دے رہی ہے۔ اس غرض کے لیے جہیز اور لمبی چوڑی بارات پر پابندی کا قانون قابل ستایش ہے۔ بشرطیکہ اس پر صحیح معنوں میں عمل کروایا جائے۔

ضرورت اس بات کی ہے کہ پورے معاشرے کو ایک اکائی سمجھتے ہوئے اس کے مسائل کا تجزیہ کیا جائے اور پورے معاشرے کو ظلم و ستم' بے انصافی اور استحصال سے بچانے کی مشترکہ جدوجہد کی جائے۔ باقی رہ گئی یہ رپورٹ تو اس طرح کی رپورٹیں ظلم و ستم کا خاتمہ کرنے میں کامیاب تو نہیں ہو سکتیں' نہ ہی یہ بے انصافی اور ظلم کی اصل وجوہ کا تعین کر سکتی ہیں' بلکہ مسائل کو غیر فطری انداز میں الجھا کر انسانیت کا دامن مزید مسائل' بے انصافیوں اور ظلم و استحصال سے بھر دیں گی۔

اگر آپ ہر دلیل مغرب کی طرف سے درآمد کرنے پر مصر ہیں تو پھر یہ نکتہ بھی زیر غور رہنا چاہیے کہ دور جدید میں اسلام تیزی سے مغربی ممالک میں فروغ پا رہا ہے۔ جدید تعلیم یافتہ نسل جو عقل و فہم اور شعور کی روشنی میں اسلام کو قبول کر رہی ہے' وہ اسلام کی زندہ' متوازن' فطری اور قابل عمل تعلیمات سے شدید متاثر ہو کر برضا و رغبت اس کو من و عن اختیار کر رہی ہے اور ان میں بھی زیادہ تعداد خواتین کی ہے۔ وہ جب اسلام میں عورت کا پروقار مقام و مرتبہ دیکھتی ہیں خصوصاً بڑھاپے میں جب مغربی عورت ردی کی ٹوکری کی طرح دارالضعفا میں بقیہ زندگی سسک سسک کر گزارنے پر مجبور ہوتی ہے اور عین اسی دور میں مسلمان بوڑھی خاتون اپنے بیٹے بیٹیوں' بہو' دامادوں اور بے شمار پوتے پوتیوں' نواسے نواسیوں کی بے لوث خدمت اور دلی احترام کے حقوق سے مستفید ہو رہی ہوتی ہے' تو یہی روح پرور منظر مغربی عورت کو حلقہ بگوش اسلام ہونے کے لیے مہمیز کا کام دیتا ہے۔ برطانوی خاتون اول چیری بلینو کا کہنا ہے کہ اسلامی لباس عورت کو بری نگاہ اور ڈیپریشن سے محفوظ رکھتا ہے (نوائے وقت' ۲۹ جولائی ۱۹۹۸)۔ مس کیتھلین میکناٹل جو اسسٹنٹ اسکالر کی حیثیت سے امریکن انسٹی ٹیوٹ آف پاکستان اسٹڈیز سے "پاکستانی خواتین" کے موضوع پر پی ایچ ڈی کرنے کا ارادہ رکھتی ہیں' لکھتی ہیں:

"پاکستانی عام خواتین کی بہت بڑی تعداد سیکولر یا ترقی پسند خیالات کی بجائے اسلامی اصولوں اور اسلامی فکر پر یقین رکھتی ہے۔ لہٰذا پاکستانی تحریک نسواں میں اسلامی سوچ کا کارفرما رہنا اس تحریک کی کامیابی کے لیے انتہائی ضروری ہے۔ پاکستانی خواتین اپنے حقوق کی جنگ میں کامیابی اسلامی اقدار اور اصولوں کے مطابق جدوجہد کرتے ہوئے ہی حاصل کر سکتی ہیں" (نوائے وقت، ۲۶ جولائی ۱۹۹۸)۔

انھوں نے مزید کہا کہ "پاکستان میں تحریک نسواں کی قیادت مغربی اعلیٰ تعلیم یافتہ خواتین کے ہاتھوں میں ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ یہ خواتین عام پاکستانی خواتین سے قریبی روابط استوار کریں اور ان کے مسائل اور ان کا حل پاکستانی خاتون کی عام طرز زندگی، سوچ اور نفسیات کے مطابق پیش کریں" (حوالہ ایضاً)۔

اس وقت پاکستانی خواتین کے اصل مسائل جن کی طرف فوری توجہ کی ضرورت ہے، وہ مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ حق مہر کی فوری ادائیگی، وراثت کی ادائیگی، طلاق یا شوہر کی وفات کی شکل میں دوران عدت اور دوران رضاعت اس کے اخراجات کی ذمہ داری اور بچوں کے اخراجات۔ دوسری شادی کرنے پر پہلی بیوی کے ساتھ عدل اور اس کو معلق نہ چھوڑنا وغیرہ۔ بیوہ اور مطلقہ کی دوسری شادی کے سلسلے میں معاشرتی دباؤ کا خاتمہ، اور بے آسرا خواتین کو حکومت کی طرف سے کفالت کا حق دیا جائے۔

۲۔ ضرورت پڑنے پر عورت کو عدالت سے رجوع کا حق دیا جائے، اسے سستا اور فوری انصاف دیا جائے، علاوہ ازیں عائلی مقدمات کی سماعت بند کمرے میں ہو۔

۳۔ میٹرک تک خواتین کے لیے لازمی اور مفت تعلیم جس میں ان کی ضروریات کے پیش نظر دینی و اخلاقی تعلیم، بچوں کی نگہداشت، ابتدائی طبی امداد، نفسیات، گھروں میں سبزیوں کی کاشت، مرغ بانی کا انتظام اور چھوٹی گھریلو دستکاریوں کی تربیت شامل ہو۔

۴۔ خواتین میں سادگی کو فروغ دینے کے لیے میڈیا سے منفی پروگرام ختم کیے جائیں۔ اسراف، رسومات، چراغاں اور توانائی کے بے دریغ استعمال پر پابندی عائد کی جائے۔ تمام سرکاری تقریبات میں بھی سادگی کا خصوصی خیال رکھا جائے۔ نیز ٹی وی پر فضول اور فحش پروگرام ختم کیے جائیں۔

۵۔ خواتین کے اشتہارات بند کیے جائیں۔ اس کی بجائے تاجر حضرات اشتہارات کی رقم کو غریب خواتین میں تقسیم کریں۔ نیز اپنی مصنوعات کے مناسب منافع وصول کریں۔ گراں فروشی نہ رہے۔

۶۔ میک اپ کی تمام اشیا کی درآمد پر پابندی لگائی جائے اور ان کے مضر اثرات سے خواتین کو آگاہ کیا جائے۔ دوسری طرف ملکی مصنوعات کے استعمال کی زیادہ سے زیادہ ترغیب دی جائے۔

۷۔ خواتین کے لیے مناسب کھیلوں کا بندوبست الگ کیا جائے جہاں مرد موجود نہ ہوں اور خواتین

کے لیے سکھانے والے کوچ بھی خواتین ہی ہوں۔

۸۔ خاندانی منصوبہ بندی کی تمام ادویات [جو حقیقت میں نوزائیدہ بچوں اور ان کی ماؤں کے لیے نقصان دہ ہیں] کی درآمد پر پابندی لگائی جائے۔ خاندانی منصوبہ بندی کی مد میں خرچ ہونے والی تمام رقم زچہ بچہ کی صحت کی اصلاح پر صرف کی جائے۔

۹۔ جو ضرورت مند خواتین سرکاری و نجی اداروں میں ملازمت کرنا چاہتی ہوں' ان کی صلاحیت اور تعلیمی قابلیت کے علاوہ ان کی خاندانی ذمہ داریوں کے پیش نظر' ان کے لیے مناسب اوقات کار مقرر کیے جائیں۔ نیز ان کے لیے ٹرانسپورٹ اور ان کے تحفظ کا بندوبست لازمی کیا جائے۔

اسلام نے عورت کو جو وقار اور عزت و احترام دیا ہے وہ اسے عورت کی حیثیت سے دیا ہے' جب کہ مغرب عورت پر ترقی کے دروازے کھولتا ہے مگر اس کو مرد مذکر بنا کر۔ وہ عورت جو صرف گھر داری کے فرائض انجام دینے والی ہو' آج بھی مغرب میں اتنی ہی ذلیل و حقیر ہے جتنی پہلے تھی۔ بیٹی کو اسلام نے رحمت قرار دیا ہے۔ نیک بیوی کو دنیا کی بہترین متاع قرار دیا ہے اور ماں ہونے کی حیثیت سے تو عورت کی عظمت کے کیا کہنے۔ اسلام نے ماں کو باپ کے مقابلے جو تین گنا زیادہ مقام دیا ہے اور اس کے پاؤں تلے جنت رکھ دی ہے' یہ مقام دنیا کی کوئی تہذیب اور نظام عورت کو نہیں دے سکا۔

کاش خواتین کمیشن عورت کے لیے انھی حقوق کی سفارش کرتا جو اسلام نے اسے دیے ہیں اور ان کے عملی نفاذ کے لیے تدبیریں' تجویزیں اور سفارشیں پیش کر کے عورت کی اصلاح احوال کی کوشش کرتا تو یہ صحیح معنوں میں اسلامی جمہوریہ پاکستان کی خواتین کی خدمت ہوتی!

امریکہ کے متکبرانہ انداز

خارجہ پالیسی کی روشنی میں

ایڈورڈ سعید

ترجمہ: محمد ایوب منیر

عام انسانوں کی طرح' امریکی باشندے بھی زندگی کے روز مرہ مسائل' مثلاً ملازمت کی فکر' بچوں کے لیے تعلیمی اخراجات کی فراہمی اور ریٹائرمنٹ کے خدشات میں اس قدر غلطاں رہتے ہیں کہ یوں محسوس ہوتا ہے جیسے دنیا میں امریکہ کے غیر معمولی کردار کے بارے میں کچھ سوچنے یا غور کرنے کے لیے ان کے پاس وقت ہی نہیں ہے۔

یہ بھی سچ ہے کہ تاریخی لحاظ سے یہ براعظم' افریقہ' ایشیا حتیٰ کہ یورپ کے مسائل سے بڑی حد تک مختلف ہے' اور اس قدر وسیع اور میلوں سمندروں میں گھرا ہوا ہے کہ اکثر امریکی اس بات سے بہت کم براہ راست تعلق رکھتے ہیں جو بیرونی دنیا میں ان کے نام پر کیا جا رہا ہے۔ اکثر واقعات سے وہ بے خبر ہوتے ہیں' اور جب وہ جانتے ہیں تو انھیں ایسے نظریاتی میڈیا کے اطلاعاتی نظام سے معلومات دی جاتی ہیں جن کا نظریہ (پالیسی) ایک مخلص' خیر خواہ اور سراپا خیر "امریکہ" ہے۔ یہی وجہ ہے کہ منظم دراندازی' نسل کشی' آمریت کی غیر منصفانہ حمایت اور ایک منصوبے کے تحت دخل اندازی (مثلاً ۳۰ سال تک انڈونیشیا کے صدر سہارتو' اس کے خاندان اور اس کے زیر عاطفت لوگوں کی سرپرستی) جیسے مسائل کے بارے میں وہ کبھی سوال نہیں اٹھا پاتے۔

یہ سب ایک ایسی دنیا میں اخلاقی برتری کا احساس دیتا ہے' جہاں مخالفت کرنے والی چھوٹی ریاستیں اور فرانس اور چین جیسی حاسد طاقتیں پائی جاتی ہیں جو غلبہ اور برتری کے لیے نقب لگانے کو تیار بیٹھی ہیں۔ چنانچہ اس پر کوئی حیرت نہیں ہونی چاہیے کہ فٹ بال کے موجودہ عالمی کپ کے موقع پر ایران کی امریکہ سے جیت پر خوشی کی ایک عالمی لہر دوڑ گئی۔ دوسروں پر اپنی مرضی مسلط کرنے' اپنی حیثیت دکھانے اور ظالمانہ

رویوں کی بنا پر امریکہ سے دنیا بھر میں اس قدر نفرت ہے کہ اس کے خلاف ایک بھرپور عالمی لہر چھائی ہوئی محسوس ہوتی ہے۔

یہ بات اب ڈھکی چھپی نہیں کہ یورپی طاقتیں تک، برابری کی سطح پر امریکہ کے ساتھ پیچیدہ معاملات پر مذاکرات کرنے میں ناکام رہی ہیں۔ عرب ریاستوں، بھارت و پاکستان، لاطینی امریکی ممالک، ایشیا اور افریقہ کے دیگر ممالک کی بات تو رہنے ہی دیجیے۔

مثال کے طور پر امریکہ کے مزاج کا یہ نمایاں پہلو کہ جن کو وہ ناپسند کرے یا جنھیں دہشت گرد، بدمعاش یا اچھوت (pariah) قرار دے دے، ان پر پابندیاں عائد کر دیتا ہے۔ آئے روز اس فہرست میں اضافہ ہوتا رہتا ہے۔ ان بہت سے ممالک میں سوڈان، شام، ایران، عراق مسلمان ممالک ہیں، جب کہ دیگر ممالک جیسے بھارت اور پاکستان پر پابندیاں امریکہ نے سخت غصے اور برہمی کے عالم میں عائد کی ہیں کہ یہ کم تر، کم ترقی یافتہ اور ہمارے ("US") برابر نہیں ہیں۔

۱۹۹۱ سے عراق انتہائی ظالمانہ پابندیوں کا شکار ہے۔ دنیا کی تاریخ میں شاید ہی کسی ملک کو پابندیوں کی وجہ سے اس طرح سے تباہ کیا گیا ہو۔ ان پابندیوں نے واقعتاً لاکھوں معصوم انسانوں کو قتل کیا ہے۔ امریکہ کے شدید متکبرانہ رویے سے ظاہر ہوتا ہے کہ جیسے یہ پابندیاں ہمیشہ عائد رہیں گی۔ اس طرز عمل کی بنیاد تحفظ نہیں، اذیت دینا (sadism) ہے، جب کہ عراق کے قریبی ہمسائے جنھیں صدام کی خطرناک حکومت سے سب سے زیادہ خطرہ ہونا چاہیے بارہا کہہ چکے ہیں کہ صدام اب کوئی خطرہ نہیں رہا۔ اس کے باوجود امریکہ ہر ایک کے سامنے شاہانہ انداز سے اپنے اعتراضات دہراتا رہتا ہے، اخلاق سے گرے ہوئے اپنے اس کردار کو فراموش کرتے ہوئے جس نے ایک ملک کو اتنا نقصان پہنچایا ہے جتنا شاید ہی تاریخ میں کسی ملک نے دوسرے کو پہنچایا ہو۔

اس اثنا میں امریکہ، الجزائر کے حکمرانوں کی امداد جاری رکھتا ہے۔ خواہ آپ یہ سمجھیں کہ وہ امن و امان کی بحالی کے لیے کام کر رہے ہیں یا اپنے ظالمانہ اقتدار کے دوام کے لیے قتل عام کر رہے ہیں، تاہم یقینی طور پر وہ اپنے ہی شہریوں پر تشدد کے مجرم ہیں۔ چونکہ الجزائر کے پاس تیل ہے اور یہی وہ سبب ہے جو طاقتور امریکی کارپوریشنوں کی دل چسپی کا باعث ہے، اور وہی بڑے پیمانے پر الجزائر سے کاروبار کرتی ہیں، لہٰذا الجزائر ایک اچھوت (pariah) ریاست نہیں ہے۔

امریکہ نے جوہری تجربات کرنے پر برعظیم کے دو بڑے ممالک سے اپنی ناراضی کا اظہار کیا ہے اور انھیں اپنی ناراضی اور اقتصادی پابندیوں کا نشانہ بنایا ہے۔ اس حقیقت کے باوجود کہ پچھلے ۵۵ برسوں میں کسی بھی عالمی طاقت کی بہ نسبت خود امریکہ نے جوہری دھماکے زیادہ کیے ہیں اور جاپان پر ایٹم بم گرا کر لاکھوں شہریوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا، لیکن آج تک نسل انسانی کے قتل عام کے اس قابل نفرین تاریخی

واقعے کی ذمہ داری قبول کرنے سے انکاری ہے۔

جب سمتھ سونین انسٹی ٹیوشن نے ہیروشیما اور ناگاساکی پر بم باری کے متعلق ایک نمایش منعقد کرنا چاہی' جس میں اس جہاز' Enola Gay کی تصویر بھی شامل تھی جس نے تاریخ کا واحد ایٹم بم گرایا تھا' تو اس پر کانگرس کے اندر ایک ہنگامہ بپا ہو گیا اور "محب وطن" شہریوں کے کئی گروہوں نے سمتھ سونین کو مجبور کر دیا کہ اس مسئلے کو ختم کر دیں۔ اس نمایش کی تصویر کشی اس طرح سے کی گئی کہ گویا یہ امریکہ پر حملے سے کسی طور پر کم نہیں ہے۔ یہی بات مقبول ہے کہ "ہمارا ملک صحیح یا غلط"۔ اور اس کے معنی اس کے سوا اور کیا ہیں کہ "امریکہ ہمیشہ حق پر ہوتا ہے"۔

یہ ایک رویہ ہے جو امریکہ کے ساتھ خاص ہے۔ اگرچہ بیشتر ریاستوں کی یہی کوشش ہوتی ہے کہ اپنی تہذیب و تمدن اور ثقافتی ورثے کی خوبیاں اپنے شہریوں کو باور کرائیں اور انھیں ہر الزام سے مبرا قرار دیں۔ مگر اپنے وسیع رقبے اور غیر معمولی عالمی رسائی کے حوالے سے' ماضی کی کسی بھی سلطنت سے زیادہ' امریکہ نے برتری کے زعم میں واقعتاً اپنے آپ کو ساری دنیا کے ساتھ الجھا لیا ہے۔ ۱۹۵۴ء میں گوئٹے مالا کی ۱۰ فی صد آبادی کو براہ راست امریکی سرپرستی میں ہلاک کیا گیا کیونکہ امریکہ کو اربنز (Arbenz) کی صدارت اس کے کمیونسٹ ہونے کی وجہ سے تسلیم نہ تھی۔ کیوبا پر پچھلے ۴۰ سال سے پابندیاں عائد ہیں۔ اس لیے نہیں کہ اس سے امریکہ کو خطرہ لاحق ہے--- وہ تو اقتصادی طور پر تباہ حال معمولی سا جزیرہ ہے جس کا وسیع و عریض امریکہ سے کوئی موازنہ نہیں کیا جا سکتا--- وجہ صرف یہ ہے کہ سینیٹر Jesse Helms اور فلوریڈا سے اس کے دیگر ساتھی بار بار مطالبہ کرتے ہیں: "ہم چاہتے ہیں کہ کاسترو کو ہٹایا جائے"۔ گویا کیوبا یا اس حوالے سے دنیا کا کوئی دوسرا خطہ امریکہ کی رضامندی پر ہی اپنا وجود برقرار رکھنے کا حق رکھتا ہے۔

امریکہ کے متعلق ایک خاص بات عوام الناس کی سطح پر بھول جانے (amnesia) کے رویے کا پایا جانا ہے جسے اہل دانش نے بھی خاطر خواہ اہمیت نہیں دی ہے۔ بلکہ چند ایک کے سوا' اہل دانش کی اکثریت کا یہ عالم ہے کہ اس تصور کو درست سمجھتے ہیں کہ امریکہ ایک غیر معمولی ملک ہے اور ایک غیر معمولی کردار کی ادائیگی اس کے ذمے ہے۔ اس کی ماضی کی تمام غلط کاریاں' ماضی کی ایک یاد کی طرح دفن کر دی گئی ہیں۔ اگر انھیں کسی محقق یا تحقیقی گروہ کے ذریعے اجاگر کیا جائے تو ہر مرتبہ انھیں چھپا دیا جاتا ہے۔

کبھی کبھار جب دھوکا دہی' اعتراف جرم اور پچھتاوے کو کفارے کے طور پر ایک مذہبی رسم کی طرح ادا کیا جاتا ہے' تب بھی عوام الناس کی یادداشت اس کی رو میں بہہ جاتی ہے۔ مثال کے طور پر رابرٹ میکنامارا' جو ان منصوبہ سازوں میں سے ایک تھا جنھوں نے ویت نام کی تباہی و بربادی کی منصوبہ سازی کی تھی جس کی وجہ سے جنوب مشرقی ایشیا کے ۳۰ لاکھ کسان مار ڈالے گئے' ان کی زمینوں' شہروں اور گاؤں کے گاؤں تباہ و برباد کر کے رکھ دیے گئے' اور اس غرض کے لیے امریکہ نے اپنے ساحلوں سے ۱۰ ہزار میل

کے فاصلے پر اعلیٰ ترین جنگی ٹکنالوجی استعمال کی محض اس لیے کہ امریکہ اپنی بالادستی کا لوہا منوا سکے۔ دو سال قبل اس شخص نے ایک کتاب لکھی اور بے انتہا کرب اور افسوس کے اظہار کے ساتھ یہ تسلیم کیا کہ اس نے غلطی کی تھی۔

"غلط" کہہ دیا اور لیجیے بات ختم---! اس معمولی سے "غلط" نے لاکھوں امریکیوں بالخصوص ویت نامیوں کی زندگیوں کو عظیم تباہی سے دوچار کر دیا۔ "غلط" ایک ایسا لفظ ہے کہ جو انسان کے گلے میں اٹک کر رہ جاتا ہے، چاہے سارا معاملہ کتنا ہی خراب کیوں نہ ہو---! میکنامارا کو چاہیے کہ اپنے آپ کو جنگی مجرم کے طور پر پیش کرے۔ کتاب لکھنا ایک ایسا موقع تھا کہ وہ طویل دورانیے کے لیے ٹیلی وژن پر پیش ہوتا اور جس قدر غلط فیصلے اس نے کیے تھے اور جو جھوٹ اس نے بولے تھے، ان سب کا ندامت و شرم ساری کے ساتھ اعتراف کرتا۔ اس سے بھی بڑی مضحکہ خیز بات یہ ہے کہ وہ کہتا ہے کہ اس نے "دیانت دارانہ خطا" کی تھی، ایسی خطا کہ جو دو حکومتوں اور ۱۵ برسوں پر محیط تھی۔

میکنامارا کو اپنی غلطیوں کے اعتراف اور اپنی صفائی پیش کرنے کا موقع فراہم کر دینا، اور کھلے عام اعتراف کی تقریبات کے اثرات اپنی جگہ، مگر اس سب کے باوجود امریکہ کے مجرمانہ رویے پر اعتراض کی ضرورت نہیں، اس لیے کہ وہ مخلصانہ طور پر دنیا کو اشتراکیت وغیرہ کے غلبے سے بچانے کے لیے سرگرم عمل ہے۔

جب معاملہ اسرائیل کا ہو (انڈونیشیا، لاؤس، کمبوڈیا، بوسنیا، چلی، ایران، گریناڈا، پانامہ اور دوسرے مقامات کو چھوڑ دیجیے جہاں امریکہ بین الاقوامی دہشت گردی کو تسلیم کرتا ہے) تو مسلسل اس احساس کو پروان چڑھایا جاتا ہے کہ امریکہ تو حق، انصاف، امن اور اخلاق کا حامی و طرف دار ہے۔ اس تصور کے خلاف جو بھی بات ہو، اسے دہشت گردی قرار دیا جاتا ہے، لیکن اگر اسرائیل یہ سب کچھ کرے تو اس پر کوئی الزام نہیں آتا۔ لبنان پر بم باری، فوجی قبضہ، علاقے کا جبری الحاق، اور بڑے پیمانے پر لوگوں کو علاقے سے بے دخل کر دینا، اس کے تذکرے کی بھی ضرورت نہیں۔ امریکہ چیختا رہتا ہے کہ وہ اور اسی کی طرح کا اس کا بے قصور حلیف، اسرائیل امن اور انصاف کے لیے جدوجہد کر رہے ہیں۔ صرف امن اور انصاف کے لیے، اور کسی کے لیے نہیں۔ وہی امریکی روایتی خوب صورت "امن و انصاف!"

مسئلہ یہ ہے کہ عرب ہونے کے ناطے، ہم اپنے اوپر ہونے والے مظالم کو طشت ازبام کر کے امریکہ کو اخلاقی اور تحریری طور پر ملوث کرنے کا ارادہ ہی نہیں رکھتے (غیر عربوں کا بھی یہی حال ہے)۔ عرصۂ دراز سے میں کہہ رہا ہوں کہ عالم عرب میں امریکہ کے متعلق قابل افسوس ناواقفیت پائی جاتی ہے--- ایسی غفلت جس کی وجہ سے ہم امریکہ کے نظام استحصال اور غیر سفید نسلوں کے خلاف اس کے منظم مظالم سے بھی آگاہ نہیں ہیں--- اس عدم واقفیت کے سبب ہم اس وہم کا شکار ہو چکے ہیں کہ امریکہ ہی واحد ثالث، آخری

عالمی طاقت اور ایسی طاقت ہے جو ہمارا حق دلانے کے لیے سب سے زیادہ موزوں ہے۔

ہمارے مسائل کی جڑ عالم عرب کا افسوس ناک افتراق بھی ہے جہاں حکمران معمولی مفادات کو تو مد نظر رکھتے ہیں مگر انھیں اس سے کوئی دل چسپی نہیں ہے کہ عرب ریاستیں کس طرح ایک دوسرے کے خلاف استعمال کی جاتی ہیں، ایک دوسرے پر بہتان باندھتی ہیں، اور ایک دوسرے کے ساتھ ختم نہ ہونے والے جوڑ توڑ میں شریک رہتی ہیں۔ سرکاری سطح پر امریکہ کے نزدیک ہم صرف "عرب" ہیں، پگڑی پہننے والے بدوؤں کا گروہ جن میں فرق کرنا مشکل ہے، اور جو تشدد اور دیوانگی کے اسیر ہیں۔ ہم اپنے تہذیبی اور سائنسی پہلو کو ابھارنے کے بجائے امریکہ سے اسلحہ اور سامان ضرورت کی خریداری کے جذبات کو زیادہ ابھارنے میں لگے رہتے ہیں، اور اپنے آپ کو کبھی ختم نہ ہونے والی سربراہ کانفرنسوں، فلسطین کی نئی ریاست اور کسی انجانے دھماکے کے اندیشے جیسے مسائل کی بنا پر بڑی حد تک نااہل اور بے بس بنا کر پیش کرتے ہیں۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ جیسے ہم اپنے مسائل کو سنجیدگی سے لے ہی نہیں سکتے۔

امریکہ کا مقابلہ بلند بانگ نعروں اور امریکہ سے مزید جدید ہتھیاروں کی خریداری سے نہیں کیا جا سکتا۔ ہماری اس سیکولر دنیا کی دیگر روایات کی طرح امریکہ کو بھی اپنی پالیسیوں، ناقابل قبول اور غیر قانونی حیثیت پر کھلی تنقید کا سامنا کرنا ہوگا۔ امن کی کوششوں کو جاری رکھنے کی درخواستیں، جو امریکہ کے سامنے پیش کی جاتی ہیں، اب جب کہ نیتن یاہو اور امریکہ نے (جیسا کہ وہ چاہتے تھے) سارے معاملے کو مزید الجھا کر رکھ دیا ہے، اس کے سوا اور کیا ہے کہ ایک ناشائستہ اپیل، اپنی ذلت، اور ضعف کا اعلان۔

آخر عرب ممالک اپنا منصوبۂ امن اپنی فہم و فراست کی روشنی میں کیوں وضع نہیں کرتے جس سے دنیا کے دوسرے ممالک بھی اتفاق کریں اور دنیا پر یہ ثابت کر دیں کہ امریکہ کی کوئی جعل سازی اور کوئی ظلم ہمیں ہمارے عزم سے نہیں ہٹا سکتا!

میرے خیال میں اس قسم کے عزم کے لیے سوچنا اسی طرح ہے جس طرح عرب لیڈروں کا پالیسی سازوں اور ماہرین کے ساتھ انتظار کرنا کہ جنھیں آہستہ آہستہ دھکیل کر لایا جا رہا ہو۔ اپنی بات کو ختم کرتے ہوئے یہ کہوں گا کہ اس وقت جو چیز ہمیں درکار ہے وہ یہ ہے کہ ہم اپنی تمام پالیسیوں پر نظرثانی کریں، اسی طرح امریکہ کے ساتھ تعلقات بھی۔ اور ہنری کسنجر جیسے بڑے پالیسی سازوں کی آرا کا شدید محاسبہ کریں، جن کی رائے پر امریکی حکومت عمل درآمد کرتی ہے، اور جس کا یہ خیال ہے کہ ہر عرب مجھ سے ملنا اور میرے ساتھ ناشتہ کرنا پسند کرتا ہے۔ جیسا کہ یہ کہنا ایک کہاوت کی طرح ہو گیا ہے: "یہ بات مجھ سے گذشتہ روز ہنری کسنجر نے کافی پیتے ہوئے کہی"۔

....

اخبار امت

مصر میں اخوان پر نئے مظالم کا سلسلہ

مسلم سجاد

تازہ صدارتی انتخابات میں ۹۸ فی صد ووٹ سے تازہ دم ہو کر مصر کے صدر حسنی مبارک نے گذشتہ ماہ اخوان المسلمون کے ۲۰ نمایاں قائدین کو گرفتار کر لیا۔ ۱۹۹۵ کے بعد یہ اخوان پر سب سے بڑا کریک ڈاؤن ہے۔ اس میں ایک سابق ممبر پارلیمنٹ مختار نوح اور ڈاکٹروں اور انجینیروں کی انجمنوں کے اعلیٰ عہدے دار شامل ہیں۔

اخوان المسلمون معتدل پالیسی پر عمل کر رہی ہے اور اس کا ان جنگجو اسلامی تنظیموں سے بھی رابطہ نہیں ہے جن سے مصری حکومت بر سر پیکار ہے۔ یہ گرفتاریاں غالباً اس لیے کی گئی ہیں کہ عنقریب ہونے والے پارلیمانی انتخابات میں یہ لوگ بطور امیدوار کھڑے نہ ہو سکیں۔ اخوان پر پابندی ہے۔ اس لیے اس کے ممبر انتخابات میں اس کے نام سے کھڑے نہیں ہو سکتے۔

گرفتاریاں اس وقت ہوئیں جب ۱۵ اکتوبر ۱۹۹۹ کو انجینیروں کی یونین کے مرکزی دفتر میں اجلاس ہو رہا تھا' دستاویزات پر قبضہ کر لیا گیا اور ۱۶ موجود افراد گرفتار کر لیے گئے۔ بقیہ چار کو گھروں سے پکڑا گیا۔ گرفتار شدگان میں انجینیروں کی یونین کے سیکرٹری جنرل محمد علی بشر' ڈاکٹروں کی قاہرہ کی انجمن کے سیکرٹری جنرل ڈاکٹر سعد زغلول' غزہ کی ڈاکٹروں کی یونین کے ڈاکٹر محمد سعد اور اسماعیلیہ کی انجینیروں کے کونسل کے ڈاکٹر ہشام الصولی شامل ہیں۔

یہ گرفتاریاں ۱۹۸۱ کے ان ہنگامی قوانین کے تحت کی گئی ہیں جو انور السادات کے قتل کے وقت سے نافذ ہیں۔ ان افراد کو کسی مقدمے کے بغیر چھ ماہ جیل میں رکھا جا سکتا ہے اور حکومت چاہے تو اس میں توسیع کر سکتی ہے۔ حسنی مبارک ۱۹۸۱ سے ان ہی قوانین کے زور پر حکومت کر رہے ہیں۔ ان قوانین کے منسوخ ہونے کے کوئی آثار نہیں۔ حالانکہ ابھی چوتھی دفعہ صدر منتخب ہونے پر انھوں نے جمہوری عمل کے لیے کچھ وعدے کیے ہیں۔

مصر کی حقوق انسانی کی تنظیم کے مطابق اس سال اخوان کے دو سو سے زیادہ ممبران گرفتار کیے گئے ہیں لیکن 1995 کے بعد سے پہلی سطح کے بجائے دوسری سطح کے قائدین کو گرفتار کیا جاتا ہے۔ تازہ گرفتاریوں میں پہلی سطح کے لوگ شامل ہیں جن پر بے بنیاد طور پر حکومت کا تختہ الٹنے کا الزام لگایا گیا ہے۔ اگر جرم ثابت ہوگیا تو انھیں سزاے موت دی جاسکتی ہے۔

اخوان پر ظلم کے معاملے میں حسنی مبارک' جمال عبدالناصر کے نقش قدم پر چل رہے ہیں جس نے ۱۹۵۴ میں اخوان کو خلاف قانون قرار دیا اور سید قطبؒ کو پھانسی دی۔ اخوان کو غدار اور دہشت گرد کہہ دیا جاتا ہے' جب کہ مصری عوام ان کو معاشرے کا قابل احترام حصہ سمجھتے ہیں جو معاشرے کی اصلاح کے لیے سیاسی نظام کے ساتھ کام کرنے کے لیے تیار ہیں۔

تیونس میں ظلم مسلسل

مسلم سجاد

لندن میں تیونس کے سفارت خانے کے باہر ۲۰ سے ۲۴ اکتوبر ۱۹۹۹ تک تیونس کے اسلامی تحریک کے قائد راشد الغنوشی کی قیادت میں پانچ روزہ ہڑتال کی گئی۔ یہ ہڑتال تیونس کی جیلوں میں بند تحریک کے ان سرگرم کارکنوں کی حمایت میں کی گئی جنھوں نے اپنے جیل کے ناگفتہ بہ حالات کے خلاف ۱۰ اکتوبر سے ہڑتال کر رکھی ہے۔ اسی طرح کی ہڑتال پیرس میں کی گئی اور سویڈن' جرمنی' سوئٹزرلینڈ اور دوسرے یورپی ممالک میں تیونس کے سفارت خانے کے باہر مظاہرے کیے گئے۔

بھوک ہڑتال تیونس کے دو بڑے شہروں سفکس اور لاواریب کی جیلوں میں ۱۰ اکتوبر ۱۹۹۹ کو شروع ہوئی۔ تیونس کی جیلوں میں دو ہزار سے زیادہ اسلامی تحریک کے کارکنان ایسے حالات میں وقت گزار رہے ہیں جنھیں بین الاقوامی ایجنسیاں ہولناک قرار دیتی ہیں۔ النہضہ کے دسیوں ارکان حالیہ برسوں میں ٹارچر' غذا سے محرومی اور غیر معیاری رہایش کی وجہ سے پیدا ہونے والے امراض سے ہلاک ہو چکے ہیں۔ سنگین بیماریوں میں مبتلا سیکڑوں دوسرے کارکنوں کو کسی طرح کا علاج میسر نہیں۔ بیمار افراد میں دو ساتھی حبیب الوز اور صدوق شورو سابق صدر ہیں اور علی لاریف' پارٹی کے ترجمان' شامل ہیں۔ تحریک کے بعض نمایاں افراد کو قید تنہائی میں ۱۰ برس سے زیادہ ہو چکے ہیں۔ شیخ غنوشی بھی گرفتار تھے مگر ۱۹۸۷ کی عام معافی میں رہا کر دیے گئے۔

برطانیہ' پیرس اور دوسرے ممالک میں ہڑتال چند روز کے بعد ختم کر دی گئی لیکن تیونس کی جیلوں میں ہر طرح کی سخت مشکلات کے باوجود ہڑتال جاری ہے۔ برطانیہ میں مظاہرین کا مطالبہ ہے کہ تمام قیدیوں کو

خصوصاً سنگین امراض میں مبتلا افراد کو فوراً رہا کیا جائے۔ طویل عرصے کی قید تنہائی کے طریقے کو ختم کیا جائے۔ عام معافی کا اعلان کیا جائے اور قیدیوں کے ساتھ ہونے والے مظالم کی تلافی کی جائے اور تیونس کے سیاسی' تہذیبی اور ابلاغ کے ماحول کو پاک و صاف کیا جائے۔

النہضہ ۱۹۶۰ میں اسلامک ٹینڈنسی موومنٹ (ITM) کے نام سے پرامن تحریک کے طور پر قائم کی گئی تھی۔ یہ شروع ہی سے غیر قانونی قرار دے دی گئی' جب کہ اسے ملک میں بڑے پیمانے پر عوامی حمایت حاصل ہے۔ اسے بار بار کریک ڈاؤن کا نشانہ بنایا جاتا ہے۔

جب زین العابدین بن علی نے اقتدار سنبھالا تو اس نے وعدہ کیا کہ وہ پارٹی پر سے پابندی ہٹا دے گا' اگر وہ اپنا نام تبدیل کرلیں اور سیاسی نظام کے اندر رہ کر کام کریں۔ یہی وقت تھا کہ پارٹی نے اپنا نام النہضہ رکھا اور بن علی کی دوسری شرائط بھی تسلیم کرلیں۔ اس کے بعد بھی یہ بار بار ظلم اور زیادتی کا شکار ہوتے رہے اور ۱۹۹۲ میں بڑے پیمانے پر فوجی عدالتوں سے سزائیں دلوائیں گئیں۔ جب سے یہ لوگ جیل میں ہیں۔ اس کے بعد ان کے ساتھ وہ لوگ شامل ہوتے گئے جن کو اس الزام میں سزا دی گئی کہ وہ قیدیوں کے خاندان کے لیے رقم جمع کر رہے ہیں۔ مغربی دنیا کے مظاہرے غیر معمولی بہادری کا مظہر ہیں۔ اس لیے کہ جو طلبہ اس میں شرکت کرتے ہیں' تیونس واپسی پر انھیں مظالم کا شکار ہونا پڑ سکتا ہے۔ تیونس کے حکمران' قیدیوں یا بیرون ملک سرگرم کارکنان کے والدین' اہل خانہ اور بچوں تک کو اپنا شکار کرنے کا ریکارڈ رکھتے ہیں۔ جو وکلا مدد کے لیے آگے بڑھتے ہیں ان کو بھی نشانہ بنایا جاتا ہے۔

لیکن ان سب کے باوجود تیونس کی حکومت کو انسانیت دوست' جمہوریت نواز' اور سول سوسائٹی کے علم بردار مغرب کی مکمل حمایت حاصل ہے!

رمضان المبارک رعایتی سکیم

نئی کتب اور زیادہ رعایت کے ساتھ

			رعایتی قیمت	قیمت
❄ فضائلِ قرآن		مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ	27/-	45/-
❄ کتاب الصوم		〃 〃	45/-	75/-
❄ کتاب الذکر و دعا		〃 〃	16/-	27/-
❄ کتاب الجنائز		〃 〃	18/-	30/-
❄ شعورِ حیات	اول دوم	مولانا یوسف اصلاحی	54/-	90/-
❄ گلدستہ حدیث		〃 〃	12/-	20/-
❄ شمعِ حرم		〃 〃	22/-	36/-
❄ ھُوَ سیّدنا		ڈاکٹر امِ کلثوم	40/-	66/-
❄ خاصانِ خدا کی نماز		ابو محمد امام الدین	14/-	24/-
❄ خاصانِ خدا کا خوفِ آخرت	اول دوم	〃 〃	30/-	51/-
❄ امثال القرآن		ابنِ قیم	22/-	36/-

البدر پبلی کیشنز 23۔ راحت مارکیٹ ۰ اردو بازار ۰ لاہور

فون : 7225030

ہماری نئی مطبوعات

- احکام و مسائل حصہ اول — سید احمد عروج قادری
- احکام و مسائل حصہ دوم — سید احمد عروج قادری
- اربعین نووی ترجمہ و تشریح کے ساتھ — امیر الدین مہر

رسائل و مسائل

اقامت دین اور نظم جماعت

سوال: "رسائل و مسائل" (اگست ۹۹) کے ضمن میں ایک اشکال پیش خدمت ہے:

اقامت دین کا کام فرض عین ہونے کی کیا دلیل ہے؟ اگر اس سے مراد اپنے جسم پر دین اسلام کے احکامات کا نفاذ ہے تو پھر یہ کام عین فرض ہے۔ اگر اس سے مراد مملکت پر نفاذ دین ہے تو یہ کام حکمرانوں کے کرنے کا ہے۔ ان پر فرض ہے۔ عام مسلم شہری پر یہ کس طرح فرض عین ہو گا؟

میرے ناقص مطالعے کے مطابق' اس صورت میں کسی تحریک اسلامی کی ضرورت نہیں بلکہ اخلاص کے ساتھ دعوت کے کام کی ضرورت ہو گی۔ حکمرانوں تک دعوت حق پہنچانا فرض عین ہو گا نہ کہ ان کے خلاف کھڑے ہو کر احتجاجی تحریک چلانا۔ البتہ آج کے تمدنی اور سیاسی شعور کے زمانے میں' تبدیلی حکومت کی آئینی جدوجہد کرنا ہر شہری کا آئینی حق تسلیم کیا گیا ہے۔ اس لحاظ سے یہ کام جائز تو ہو گا لیکن شرعی طور پر فرض عین نہیں بن جاتا---!

جواب: اگر آپ نے ایمان اور اسلام کی حقیقت پر غور فرمایا ہوتا تو آپ کو اقامت دین کے فرض عین ہونے میں کوئی اشکال نہ پیدا ہوتا۔ ایمان' اللہ کی حکمرانی کو ماننے کا نام ہے۔ اللہ تعالیٰ کی حکمرانی پر ایمان کا تقاضا رسولوں پر ایمان لانا ہے۔ اسی طرح جزا و سزا کے دن پر ایمان بھی اللہ تعالیٰ پر ایمان کا حصہ ہے' اور اللہ پر ایمان کا حصہ ہے: اللہ تعالیٰ کے نظام کو ماننا۔

اللہ تعالیٰ دنیا میں اپنی حکمرانی اپنے نبیوں کے ذریعے قائم کرتا ہے۔ اس نے ہر دور میں انبیا علیہم السلام کو مطاع بنا کر بھیجا ہے۔ انبیا علیہم السلام اللہ تعالیٰ کے نائب اور خلیفہ ہوتے ہیں۔ ان کا کام لوگوں کو اللہ کے نظام کی طرف اور اپنی اطاعت اور حکمرانی کی طرف دعوت دینا ہے۔ وہ لوگوں کو اپنی اطاعت کے محور پر منظم کر کے ایک امت بناتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے آخری خلیفہ' رسول اللہ ہیں۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کی حاکمیت' اللہ کے نظام' اور اپنی اطاعت کی طرف انسانوں کو دعوت دی' ایک امت بنائی اور سرزمین عرب کو اللہ کے دین کے لیے مسخر کر دیا اور اللہ تعالیٰ کا دین نازل ہونے کی تکمیل کے ساتھ مکمل

طور پر نافذ بھی ہو گیا۔

صحابہ کرامؓ نے آپؐ کے بعد دین کو دنیا کے اس حصے تک پہنچایا جسے آج ہم اسلامی ممالک کے نام سے جانتے ہیں۔ یہ سارے ممالک اسلام کے مسخر کردہ ہیں۔ صحابہ کرامؓ' تابعین اور بعد کے ادوار میں اہل ایمان نے اسی طرح جہاد و دعوت کے ذریعے انھیں مسخر کیا جس طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سرزمین عرب کو مسخر کیا تھا۔

اللہ کے نازل کردہ نظام کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نافذ فرمایا۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ نظام آج بھی نافذ ہے۔ جن لوگوں نے اس نظام کو معطل کیا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے باغی اور محمدؐ کے نافرمان ہیں۔ انگریز نے یہ کام کیا تھا۔ انگریز کے چلے جانے کے بعد مسلمانوں پر لازم تھا کہ اللہ کی شریعت کو بحال کرتے لیکن نام نہاد مسلمان حکمرانوں نے اللہ کی شریعت کو معطل رکھا اور ایک اسلامی ریاست کو علاقائی اور نسلی بنیادوں پر ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ آج امت مسلمہ ۶۰ کے قریب مسلمان ریاستوں کی شکل میں تقسیم ہے۔

اللہ پر ایمان' رسولؐ اللہ پر ایمان' روز جزا پر ایمان اور اللہ کے نظام پر ایمان تقاضا کرتے ہیں کہ ہم اللہ کے نظام کے مقابلے میں دوسرے نظاموں کو رد کر دیں۔ ایسے حکمرانوں کو جو اللہ کے نظام کو معطل رکھنے کے ذمہ دار ہیں' مسترد کر دینا ہر مسلمان کے ایمان کا تقاضا ہے۔

مسلمانوں کو اس بات کا شعور ہو یا نہ ہو' لیکن ایمان کی یہ حقیقت ہے۔ اللہ کے نظام پر ایمان لانے کے ساتھ کسی دوسرے نظام کو نہیں مانا جا سکتا۔ اللہ تعالیٰ کے حکم کے مقابلے میں کسی دوسرے کے حکم کو نہیں مانا جا سکتا۔ مثلاً اللہ تعالیٰ کی طرف سے سود حرام ہے اور موجودہ حکومت نے اسے حلال کیا ہوا ہے تو کیا سود ایک مسلمان کے لیے حلال اور جائز ہو گیا ہے؟ کیا کل قیامت کے روز سودی کاروبار کرنے والوں سے اللہ تعالیٰ یہ نہیں پوچھے گا کہ پاکستان میں سودی کاروبار کیوں کرتے تھے؟ اور کیا کوئی شخص یہ جواب دے کر جان بچا لے گا کہ پاکستان میں سود جائز تھا اس لیے میں نے سودی کاروبار کر کے کوئی جرم نہیں کیا؟ تو کیا سودی نظام جاری رکھنے والے حکمران اور اُن کے مددگار عوام و خواص' قیامت کے روز اللہ تعالیٰ کے ہاں مجرم نہیں ہوں گے؟ یہ ایک مثال ہے ورنہ مسئلہ سود ہی کا نہیں ہے بلکہ تمام احکام الٰہی کا ہے۔ عوام کو احکام الٰہی کی تفصیل معلوم نہیں تو کیا اجمالاً بھی وہ نہیں جانتے کہ اللہ کے احکام کو ماننا ضروری ہے اور ان کے مقابلے میں دوسرے احکام کا رد کرنا لازمی ہے۔ اللہ کے احکام میں سے ایک حکم یہ بھی ہے کہ نیک لوگوں کو حکمران بنایا جائے۔ کیا اس کے بارے میں عوام و خواص سے باز پرس نہ ہو گی؟ قبر میں منکر و نکیر صرف من ربکَ' من نبیکَ کے سوالات پر اکتفا نہیں کریں گے بلکہ یہ بھی پوچھیں گے "ما دینکَ؟"۔

اقامت دین کے فرض عین ہونے کے یہی معنی ہیں کہ اللہ کے نظام کے مقابلے میں دوسرے نظاموں

کو رد کر دیں۔ اسلامی نظام کے حق میں آواز اٹھانا، اس کی حمایت کرنا، اسلام کے مطابق حکومت قائم کرنے کی حمایت کرنا، یہ خود اسلام پر عمل کرنا ہے۔ مسلمان کے فرائض میں سے یہ فرض ہے۔ آپ اسے دعوت کا نام دے کر حکمرانوں سے ٹکرانے اور ان کے خلاف تحریک چلانے کی فرضیت سے کیسے انکار کر سکتے ہیں۔ وہ نظام جس پر ہم ایمان لائے ہیں، معطل ہے، حکمران اللہ کے باغی ہیں، محمدؐ کی قائم کردہ حکومت ٹکڑے ٹکڑے کر دی گئی ہے، تو وہ تمام لوگ جو اس حقیقت کو سمجھتے ہیں وہ مل کر اس کے خلاف آواز کیوں نہ اٹھائیں؟ اور قرارداد مقاصد میں تو دستوری طور پر بھی اللہ کی حاکمیت کو تسلیم کر لیا گیا ہے، تو کیا دستور پاکستان کی حفاظت ہر شہری کا فرض نہیں ہے؟

آپ کا یہ کہنا کہ یہ کام جائز ہو گا لیکن شرعی طور پر فرض نہیں ہے، قطعاً باطل ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نظام اور احکام کے مقابلے میں ہر حکم کا انکار فرض ہے اور ایک آدمی بہ یک وقت دو احکام اور دو حکومتوں کو نہیں مان سکتا۔ اللہ کے حکم کو مانے گا تو دوسرے احکام کو رد کرنا ہو گا، اللہ کی حکومت کو مانے گا تو اس کے مقابلے میں دوسری حکومتوں کو رد کرنا لازم ہو گا۔ قرارداد مقاصد کی رو سے ایسی حکومت کا انکار لازمی ہے جو اللہ کے نائب کی بجائے اللہ سے آزاد بلکہ اس کے مقابلے میں حکومت کرے۔ اگر اسلامی حکومت فرض نہیں ہے تو پھر اس کی دعوت کی کیا ضرورت ہے؟ اگر فرض نہیں ہے تو قیامت کے روز اللہ تعالیٰ کی طرف سے اسلامی نظام پر عمل نہ کرنے کی وجہ سے مواخذہ کیوں ہو گا؟ کیا اس وقت کے لوگوں سے یہ سوال نہ ہو گا کہ کتاب و سنت کے نظام کو قائم کرنے کے لیے کیوں نہ کھڑے ہوئے، اس کی حمایت کیوں نہیں کی! جماعت اسلامی اور جو بھی جماعت مسلمانوں کو ان کا یہ فرض یاد دلاتی ہے، وہ امت کی طرف سے تعاون کی مستحق ہے۔ وہ مستحق ہے کہ اس کی قدر کی جائے، اس کے کام میں اس کے ساتھ تعاون کیا جائے۔ (مولانا عبدالمالک)

کتاب نما

تصانیف مودودی ' ایک اشاعتی اور کتابیاتی مطالعہ ' ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی۔ ناشر: ادارہ معارف اسلامی' منصورہ' لاہور۔ صفحات: [۲۱۳ مجلاتی سائز] ۔ قیمت: درج نہیں۔ [مشمولہ: تذکرہ سید مودودیؒ ۳۔ قیمت: ۲۲۵ روپے]۔

بیسویں صدی میں تحریک اقامت دین کے معمار اور معلم سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ (۱۹۰۳-۱۹۷۹) کی علمی خدمات' امت مسلمہ کا نہایت ہی قابل رشک اثاثہ ہیں۔ زیر تبصرہ کتاب میں سید مودودیؒ کے مکمل مطبوعہ قلمی آثار اور تحریروں (works) کی فہرست کو توضیحات (annotations) کے ساتھ پیش کیا گیا ہے۔ اسے ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی نے بڑی عرق ریزی کے ساتھ مرتب کیا ہے۔ ابتدا میں ایک معلومات افزا مقدمے میں تصانیف مودودی سے متعلق بعض ایسے امور پر روشنی ڈالی گئی ہے' جو اس کاوش کے امتیازات ہیں۔

کتابی صورت میں سید مودودیؒ کی کل ۱۳۳ تصانیف (۱۰۲ کتابوں اور ۳۱ کتابچوں) کی اوّلین اشاعتوں' ان کے موضوعات و مباحث اور ابواب و عنوانات کی تفصیل دی گئی ہے (سنہ اشاعت' ضخامت' ناشر' مطبع' تعداد اشاعت' تقطیع وغیرہ) البتہ مابعد اشاعتوں کے صرف سنین اشاعت دیے گئے ہیں۔ بعض تحریروں اور کتابوں میں جو تراسیم ہوئیں' ان کی نشان دہی بھی کی گئی ہے۔ ۱۳۳ تصانیف میں سے ۵۵ کتابیں تو خود سید مرحوم نے مرتب کر کے شائع کیں یا کرائیں' البتہ باقی کتابیں' مودودیات سے دل چسپی رکھنے والے مختلف اصحاب نے وقتاً فوقتاً ترتیب دیں' جیسے مکتوبات یا ملفوظات کے مجموعے یا سید مرحوم کی بعض پرانی تحریریں جنھیں اخبارات و رسائل سے اخذ کر کے کتابی صورت دی گئی۔

سید مودودیؒ ' فکر و دعوت کے اعتبار سے ہی نہیں' اپنے حلقہ قارئین کی وسعت کے حوالے سے بھی اردو کے سب سے بڑے مصنف ہیں۔ ان کے قارئین' خاص طور پر سنجیدہ اور علمی تحریروں کے قارئین کا حلقہ بھی' اردو کے ہر مصنف سے زیادہ وسیع ہے۔ سید مودودیؒ کی تصانیف کے تراجم دنیا کی کم و بیش ۴۳ زبانوں میں مسلسل چھپ رہے ہیں (مقدمے میں ان زبانوں کے نام گنوائے گئے ہیں)۔ مگر افسوس کہ دوسری زبانیں تو ایک طرف خود اردو میں بھی' ان کی کوئی وضاحتی کتابیات (bibliography) موجود نہ تھی۔ زیر نظر قابل قدر کاوش اس سمت میں پہلی سنجیدہ اور علمی کوشش ہے' جس کے ذریعے اردو اور

خاص طور پر سید مودودیؒ کے فکر و فن اور دینی خدمات پر کام کرنے والوں کے لیے، ایک بڑا علمی خلا پُر کرنے کی بامعنی کوشش کی گئی ہے۔

بہ ظاہر یہ ایک کتابیاتی فہرست ہے لیکن اصل میں، یہ تحقیقی انداز سے تصانیف مودودی کا ایک اشاعتی اور کتابیاتی مطالعہ ہے۔ اس کا مقصد سید مودودیؒ کے کتابی متون کا، ان کے سیاق و سباق کے ساتھ تعین ہے کیوں کہ تصانیف مودودی کی مقبولیت کے پیش نظر، حال ہی میں ان کی مختلف کتب کے حصے بخرے کر کے نوآموز مرتبین نے انھیں چھوٹے بڑے حصوں میں شائع کرنے کا سلسلہ شروع کیا ہے۔ دیانت سے ٹکرانے والے، اس منفی عمل کے پیش نظر بھی، ضروری تھا کہ تصانیف مودودی کی اصل حیثیت کی نشان وہی کر دی جائے، ورنہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ خدشہ ہے کہ سید مرحوم کے اصل متن کا تعین دشوار تر ہوتا چلا جائے گا۔

مقدمے میں مرتب نے اس جانب اشارہ کیا ہے کہ سید مودودیؒ کے بعض مرتبین اور ناشرین نے ان کی تصانیف کی تدوین و اشاعت میں، کسی قدر تساہل اور لاپروائی سے کام لیا ہے۔ چنانچہ سید مودودیؒ جیسے عبقری کی انقلاب انگیز تحریریں، شایان شان اشاعت جامے کے لیے ان کے کسی محب ایڈیٹر (تدوین کار) اور سید مرحوم کے ذمہ دار، بازوق اور سلیقہ شعار ناشر کی منتظر ہیں۔

بلاشبہ زیر نظر کام اہم ہے، مگر اگلے قدم کے طور پر یہ بھی ضروری ہے کہ سید مودودیؒ کے بارے میں لکھی گئی کتب، یونی ورسٹیوں کے تحقیقی مقالات اور خصوصی نمبروں، یعنی Works about Mawdudi کے حوالوں کو بھی اسی طرح ترتیب دیا جائے۔ مزید یہ کہ اردو کے علاوہ دیگر زبانوں میں بھی ان کی تصانیف کے تراجم اور متعلقہ حوالوں سے تحریری کاوشوں کو ریکارڈ پر لایا جائے۔ یہ کام کٹھن ضرور ہے مگر ناممکن نہیں۔ اس مقصد کے لیے مرتب (ڈاکٹر ہاشمی) کو ادارہ معارف اسلامی اور (مجوزہ) مودودی فاؤنڈیشن جیسے اداروں کا تعاون حاصل کرنا چاہیے۔ مولانا مودودیؒ کے دیگر ناشرین پر بھی اس کار خیر میں اپنا حصہ شامل کرنے کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔

یہ کتابیاتی مطالعہ دراصل "تذکرہ سید مودودی" (سوم) میں شامل ہے۔ پیش نظر صورت، اس کے تراشے (off-print) کی ہے، جسے محدود تعداد میں اہم پبلک کتب خانوں کے لیے الگ کتاب کی شکل دی گئی ہے۔ عام قارئین اور قدردان، اسے "تذکرہ سید مودودی" ہی میں دیکھ پائیں گے۔

ادارہ معارف اسلامی مبارک باد کا مستحق ہے کہ اس نے اس وقیع کام کی تیاری میں دل چسپی لی۔ اب (جیسا کہ ہم نے اوپر اشارہ کیا) اس کی تکمیل کی ذمہ داری بھی سب سے زیادہ مذکورہ ادارے پر عائد ہوتی ہے (سلیم منصور خالد)۔

یاساری الجبل! کیا دجال کی آمد آمد ہے؟ اسرار عالم۔ ناشر: دارالعلم، نئی دہلی۔ پاکستانی ایڈیشن: مکتبہ معارف اسلامی، ۳۵ ڈی بلاک ۵، فیڈرل بی ایریا، کراچی۔ ملنے کا پتا: منشورات، منصورہ، لاہور۔ صفحات: ۹۶۔ قیمت: ۳۵ روپے۔

۲۰ ویں اور ۲۱ ویں صدی کے حوالے سے مستقبلیات کے موضوع پر بہت کچھ لکھا جا رہا ہے۔ ایک موضوع تہذیبوں کا مستقبل بھی ہے جس سے ہم بہ حیثیت امت مسلمہ براہ راست متعلق ہیں۔ جاپانی دانش ور فوکویاما نے جمہوریت اور منڈی کی معیشت کو ارتقا کی آخری منزل اور تاریخ کا اختتام قرار دیا۔ ہنٹنگٹن نے تہذیبوں کے تصادم کا نقشہ پیش کیا۔ بدقسمتی سے مسلمان اہل فکر نے اس طرف توجہ نہیں دی ہے کہ حالات و واقعات کے آئینے میں مسلمانوں کو دنیا کی اور مسلمانوں کے مستقبل کی کیا تصویر نظر آ رہی ہے (شاید ہم تقدیر کے کچھ زیادہ ہی قائل ہیں کہ جو ہونا ہے ہو جائے گا) اس لیے سچی بات یہ ہے کہ غلط یا صحیح، مسلمانوں کے مسائل اور مستقبل کے بارے میں مغرب ہی میں تحقیق ہو رہی ہے اور مسلسل لکھا جا رہا ہے۔ مسلمان ممالک کے تحقیقی ادارے امت مسلمہ کے حقیقی اور زندہ موضوعات کو نظرانداز کر کے، اپنے قیمتی وسائل، روایتی موضوعات پر صرف کر رہے ہیں۔

اس پس منظر میں بھارت سے اسرارعالم صاحب کی نئی توانا آواز، ایک خوش آیند امر ہے۔ انھوں نے امت کے مسائل پر ایک نئے زاویے سے قلم اٹھایا ہے۔ ان کی متعدد کتابیں عالم اسلام کی صورت حال کے حوالے سے شائع ہو چکی ہیں جو ان کی وسعت مطالعہ کی غماز ہیں۔ فاضل مصنف نے احادیث کی پیش گوئیوں کا اطلاق حالات حاضرہ پر کیا ہے اور بات اس سے شروع کی ہے کہ حضورؐ نے پہاڑی کے پیچھے جس خطرے کا اعلان کیا تھا وہ دجال کا فتنہ تھا اور مصنف کے بہ قول: "قیامت کے آخری مرحلے کا پہلا حصہ مئی ۱۹۹۹ سے شروع ہو گیا ہے۔ اس آخری مرحلے کے پانچ بڑے حصے معلوم ہوتے ہیں۔ پہلے حصے کا امتداد ۱۹۹۹ سے ۲۰ تا ۳۰ سالوں کا ہو گا۔ وَاللّٰهُ عِندَهُ عِلْمُ السَّاعَة"۔ پھر انھوں نے ان ۳۰ سالوں کے اندر پیش آنے والے متوقع واقعات بیان کیے ہیں۔

اسرارعالم صاحب نے آیندہ دنیا کا جو نقشہ پیش کیا ہے، اس میں مرکزی نکتہ یہ ہے کہ یہودی اپنے منصوبے کے مطابق دنیا کو چلا رہے ہیں۔ مجھے اس طرز فکر سے بنیادی اختلاف ہے کہ ہمارے خلاف عالمی سازش پر عمل ہو رہا ہے۔ اگر امت مسلمہ بیدار ہو، اپنے مقاصد سے وابستہ ہو تو کسی سازش کا کیا سوال ہے۔

یہ بہت اچھا ہے کہ ساری متعلقہ احادیث نقل کرنے کے بعد فاضل مصنف نے امت مسلمہ کے لیے تین نکاتی لائحہ عمل بھی پیش کیا ہے یعنی ایمان، جہاد، معاش۔ میرے نزدیک یہی اس مقالے کا اصل حصہ ہے۔ جو نکات مصنف نے اٹھائے ہیں، اور حالات کو جس لڑی میں پرویا ہے، یہ تبصرہ اس کے جائزے کا متحمل نہیں ہو سکتا۔ اہل علم کتاب پڑھیں اور بحث کریں۔ کتاب کے عربی نام نے بھی کتاب کو اجنبی بنا دیا

ہے۔ میرے علم کے مطابق تو یہ حضرت عمرؓ کے دور کا واقعہ ہے کہ آپ نے منبر پر بیٹھے بیٹھے اپنے لشکر کو متنبہ کیا کہ پہاڑ کی طرف دیکھو یاساریۃُ الجبلُ (یعنی اے ساریہ! پہاڑ!!) (مسلم سجاد)۔

شمائل کبریٰ، جلد اول، مولانا مفتی محمد ارشاد بھاگل پوری۔ ناشر: زم زم پبلشرز، شاہ زیب سنٹر، گوالی لائن نمبر ۳، نزد مقدس مسجد، اردو بازار، کراچی۔ صفحات: ۲۷۲۔ قیمت: ۱۰۰ روپے۔

یہ کتاب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کھانے پینے اور لباس کے طور طریقوں کے بارے میں ہر طرح کی (صحیح، حسن، ضعیف) احادیث کے اردو ترجمے پر مشتمل ہے۔ بلاشبہ اسوۂ حسنہؐ کا یہ نمونہ قابل قدر ہے لیکن قارئین کی اکثریت کے لیے یہ سمجھنا مشکل ہے کہ ان حدیثوں میں صحیح اور مستند روایات کون سی ہیں اور ضعیف اور مشکوک روایات کون سی ہیں؟ اس وجہ سے وہ اسوۂ حسنہؐ کی مستند نوعیت کو کیسے جان سکتا ہے۔

مناسب ہوتا (بلکہ اب بھی ضروری ہے) کہ اسوۂ حسنہؐ کا ایک جامع مرقع صرف مستند احادیث کی بنیاد پر اچھی ترتیب اور عمدہ تدوین کے ساتھ تیار کیا جائے تاکہ جدید تعلیم یافتہ لوگ بھی اسے دل چسپی کے ساتھ پڑھیں اور اس طرح کی کاوش کا خاطر خواہ فائدہ ہو سکے۔ اس امر کی وضاحت بھی ضروری تھی کہ نبی اکرمؐ کی اصل سنتیں تو وہ ہیں جنھیں عبادات کا درجہ حاصل ہے۔ ایک خاص انداز میں کھانے پینے اور مخصوص لباس اور برتن وغیرہ کو اختیار کرنے کو عبادات کا درجہ حاصل نہیں ہے، بلکہ یہ اچھی عادات ہیں اور محض ان اچھی عادات کو اختیار کر کے یہ سمجھ لینا کہ اتباع سنت کا حق ادا ہو گیا ہے، ایک ناقص تصور ہے۔

کتاب صاف ستھری چھپی ہے۔ اس کا املا پرانا ہے کیونکہ غالباً یہ کسی پرانی کتاب کا ری پرنٹ ہے۔ قیمت بہت مناسب بلکہ کم ہے (رفیع الدین ہاشمی)۔

دیدِ زباں، اسد فیض۔ ناشر: ہم عصر پبلی کیشنز، ۶۵ سی، شاہ رکن ہاؤسنگ اسکیم، ملتان۔ صفحات: ۱۴۴۔ قیمت: ۱۵۰ روپے۔

بارہ معروف اور غیر معروف ادیبوں، شاعروں اور نقادوں کے مصاحبوں (انٹرویو) اور پانچ تحقیقی اور تنقیدی مضامین پر مشتمل، یہ مجموعہ مصنف کی، غالباً دوسری تصنیف ہے۔ مصاحبوں میں کچھ باتیں دل چسپ ہیں (اور شاید کسی قدر عبرت انگیز بھی) مثلاً: علی تنہا چھٹی کے دن منیر نیازی کے ہاں جایا کرتے تھے (جو "بڑے کمال کے آدمی ہیں")۔ وہ بتاتے ہیں کہ ایک دفعہ میں گیا تو منیر نیازی قرآن مجید پڑھ رہے تھے، ساتھ اس کا ترجمہ (شاہ عبدالقادر) تھا۔ دوسری طرف امرناتھ سن رہے تھے۔ وہ کہتے تھے کہ "قرآن سے مجھے تشفی ملتی ہے۔ یہ میری روح کو تازہ کرتا ہے اور یہ مجھے خبردار کرتا ہے اور موسیقی لاہور شہر کی بدروحوں سے میری حفاظت کرتی ہے" [کذا] (ص ۶۶، ۶۷)۔ شہزاد منظر ۱۹۴۸ میں کمیونسٹ پارٹی کی ہدایت

پر مشرقی پاکستان میں زیر زمین کام کے لیے گئے تھے' پکڑے گئے۔ دو سال راج شاہی میں حوالہ زنداں رہے' لیکن (ایسی قربانیوں کے باوجود) چند سال قبل کراچی میں ترقی پسند مصنفین نے گولڈن جوبلی تقریبات منعقد کیں تو شہزاد مرحوم کو بلایا ہی نہیں گیا (ص ۳۵ تا ۳۷)۔ امراؤ طارق کہتے ہیں معاشرے کے انتشار کا سبب فنون لطیفہ سے لاتعلقی ہے۔ توازن پیدا کرنے کے لیے شعروادب پڑھنا چاہیے (ص ۳۴)۔ بلاشبہ شعروادب بری چیز نہیں' مگر انتشار فکر و عمل کے خاتمے کے لیے مذہب کا کردار سب سے زیادہ موثر رہتا ہے۔ گوئٹے کا ایک قول ہے: Art is still truth, take refuge there --- (فن تاحال صداقت ہے' اسے ہی جاے پناہ بنا لو)۔ امراؤ طارق صاحب علامہ اقبال کے مداح ہیں۔ علامہ نے مذکورہ قول میں لفظ Art (فن) کو Religion (مذہب) سے بدل دیا تھا۔ اقبال (بجا طور پر) سمجھتے تھے کہ مذہب ہی ہمارے اتحاد فکروعمل کی سب سے مضبوط بنیاد بن سکتا ہے۔ غزل' ادب کی سب سے قدیم اور مسلمہ طور پر بڑی صنف ہے مگر زندگی میں غزل کے کردار کے بارے میں' ایک معروف شاعر ستیہ پال آنند کی نظم ("ایک منظوم خط" افتخار امام صدیقی کے نام: شاعر' بمبئی' اکتوبر ۱۹۹۹) کا مطالعہ سبق آموز ہو گا۔ اس کے دو مصرعے ہیں:

مگر ہم نے تو بس غزلیں کہیں' اور یہ نہ سوچا

کہ اس "خود مست صنف شعر" سے آگے بہت کچھ ہے

ستیہ پال کہتے ہیں کہ "ہمیں غزل کے اندھے کنوئیں" سے نکلنا چاہیے۔

ممتاز مفتی کی باتیں کھری کھری اور متوازن ہیں' مثلاً: ترقی پسند تحریک کے ابتدائی دور کے لوگ بیرونی ایجنٹوں کے آلۂ کار تھے جن کے مقاصد سیاسی تھے (ص ۱۱)۔ ایوب خاں ڈرپوک آدمی تھا' اس میں تمام خوبیاں تھیں مگر وہ سپاہی آدمی نہ تھا (ص ۱۹)۔ بھٹو مشرقی پاکستان کے سانحے کا مرکزی کردار تھا' وہ اگر عوامی لیگ کی کامیابی کو تسلیم کر لیتا تو سقوط مشرقی پاکستان کا حادثہ رونما نہ ہوتا' لیکن وہ بادشاہ بننا چاہتا تھا (ص ۱۹)۔ ممتاز مفتی مرحوم نے ساری عمر ناول اور افسانے لکھے' مگر آخر عمر میں وہ اس حقیقت کے قائل ہو گئے کہ "نیکی کے کام... اپنے رب کو راضی کرنے کے لیے کرنے چاہییں" (ص ۱۶)۔

اسد فیض نے ایم فل' اقبالیات میں کیا ہے۔ قدرتی طور پر ان کی زیادہ تر دل چسپی اقبالیات ہی سے ہے۔ مجموعے کے پانچ میں سے چار مضامین بھی اقبالیات سے متعلق ہیں مگر انٹرویو (ماسوا اسلم انصاری) غیر اقبالی شخصیات کے ہیں۔ ملتان کے اقبال شناسوں اور وہاں کے اقبالیاتی کام کے ضمن میں انھیں سوال کا جواب بھی دینا چاہیے کہ ملتان میں جامعات کی سطح پر کیا تحقیقی کام ہوا' یا نہ ہو سکا تو اس کی وجوہ؟

کتاب خوب صورت چھپی ہے البتہ املا کے مسلمہ قواعد اور اصولوں کا خیال بھی ضروری تھا' مثلاً: تمغہ' لاء کالج' ابتداء' آباؤاجداد کو تمغا' لا کالج' ابتدا' آبا و اجداد لکھنا درست ہے۔ کیا ہی اچھا ہو کہ (کم از کم) اردو کے ادیب اور نقاد تو انگریزیت کے سامنے سپر نہ ڈالیں۔ "ان کی شخصیت ملٹی ڈائی مینشنل

ہے (ص ۱۴)۔ ان کی تحریریں کلیشے نہیں بن گئی ہیں (ص ۷۸)۔ ادبی کیریئر (ص ۳۶)' میچورٹی (ص ۵۰)' ڈاکومینٹیشن (ص ۱۱۸) وغیرہ۔ "انٹرویوز" لکھنا تکلف ہے' "انٹرویو" بھی جمع کے معنوں میں بہ خوبی استعمال ہو سکتا ہے (ر۔ ہ)۔

اسلام کی عادلانہ اقتصادی تعلیمات' محمد طاسین۔ ناشر: مجلس علمی فاؤنڈیشن' شعبہ اقتصادیات المدینہ گارڈن' جمشید روڈ نمبر ۲' کراچی۔

مولانا محمد طاسین اسلامی معیشت کے مختلف پہلوؤں پر کئی کتب اور مقالات لکھ چکے ہیں۔ زیر نظر کتاب میں مولانا نے اس بات کو اجاگر کرنے کی کوشش کی ہے کہ اسلام جس عادلانہ نظام معیشت کو پیش کرتا ہے اس کا ایک دائرہ تو وہ ہے جس میں افراد اپنی اخلاقی تربیت اور حسن سلوک کے ذریعے معاشی فرق و امتیاز کو مٹانے اور پس ماندہ طبقات کو اٹھانے کے لیے سعی و جہد کرتے ہیں' اور دوسرا اور اہم شعبہ وہ ہے جس میں حکومت و ریاست اپنے اختیارات کو بروے کار لا کر قانون سازی کے ذریعے ظلم و استحصال کا خاتمہ کرتی ہے۔ مصنف نے ایسے بارہ اقدامات کی نشان دہی کی ہے جن کے ذریعے اسلامی ریاست' معاشی عدل کا قیام عمل میں لا سکتی ہے۔ مثال کے طور پر لوگوں کو کسب معاش کی جدوجہد پر لگانا' معاشی جدوجہد کے مواقع مہیا کرنا' کام کرنے والوں کے لیے مناسب معاوضے کا انتظام' صرف جائز حق ملکیت کا تحفظ' اور اس کے انتقال کی اجازت' تبادلۂ اشیا و خدمات کے لیے حقیقی رضامندی کو لازمی شرط قرار دینا' انفاق کا فروغ لیکن بخل کی طرح اسراف و تبذیر کی بھی بیخ کنی' معیار معیشت میں سادگی اور بے جا امتیازات کا خاتمہ' محتاج و مساکین کی معاشی کفالت کا اہتمام' نظام زکوٰۃ کا موثر نفاذ' قانون وراثت' وصیت اور نفقات پر عمل درآمد وغیرہ۔

اس میں شک نہیں کہ مذکورہ بالا خطوط پر نظام معیشت کو استوار کرنے سے ایک مثالی' متوازن اور خوش حال معاشرہ وجود میں آ سکتا ہے' لیکن یہ انقلابی کام وہی حکومت انجام دے سکتی ہے جو حقیقی معنوں میں اللہ اور اس کے رسولؐ کی مطیع فرمان ہو اور جس کی نگاہ میں اسلامی نظام حیات کا قیام و نفاذ اس کی اولین ترجیح ہو۔ ایسی ہی مخلص حکومت اپنی قانونی' تعلیمی اور انتظامی پالیسیوں کے ذریعے وہ سازگار ماحول وجود میں لا سکتی ہے جو اسلام کے منصفانہ معاشی اصولوں کے بار آور ہونے کی ضمانت دے سکتا ہے۔ محض انفرادی طور پر عقائد کی پختگی اور عبادات کے التزام سے اس کا وقوع پذیر ہونا امر محال ہے (پروفیسر عبدالحمید ڈار)۔

مدیر کے نام

عبدالرحمان الکاف' یمن

شیشان پر مسلم سجاد (اکتوبر ۱۹۹۹) سے سخت اختلاف ہے۔ شیشان میں جو کچھ ہو رہا ہے' وہ شیشان کی مسلمان آبادی کی بربادی اور تتر بتر ہونا ہے۔ یہ بربادی اور تتر بتر کرنا روس کی پرانی پالیسی قیصر کے زمانے سے چلی آرہی ہے۔ اس طرح ہم ان کی پالیسی کی تنفیذ کے آلۂ کار بن رہے ہیں اور ان کی دیرینہ تمنا کو پورا کرنے کا ذریعہ ثابت ہو رہے ہیں۔ یہ اس حقیقت پر مستزاد ہے کہ نہ تو شیشان اور نہ داغستان اور نہ بہ حیثیت مجموعی قفقاز' روسی فیڈریشن سے علیحدہ ہو سکتا ہے کیونکہ علاقائی وحدت کا اصول جو کویت میں راسخ ہو چکا ہے وہ یمن' کوسووا وغیرہ میں بھی راسخ ہو اور قفقاز میں بھی ہو گا۔ اس لیے اپنے آپ کو اندرونی طور پر مضبوط کرتے ہوئے اور ترقی دیتے ہوئے اس وقت کا انتظار کرنا چاہیے جب روس میں ہر طرف انتشار برپا ہو اور مناسب وقت پر مناسب وار کرنا چاہیے۔ اب کوسووا کی طرح کی صورت حال ہے؟ کوسووا بھی برباد اور شیشان بھی برباد اور ساری آبادی دسیوں سالوں تک بھوک' پیاس' مرض اور جہل کا شکار۔ دونوں جگہ روس امریکہ' جرمنی' فرانس اور برطانیہ تماشائی بنے رہیں گے کیونکہ وہ ہم کو بھوک' پیاس میں مبتلا کرنا چاہتے تھے اور ہم نے آگے بڑھ کر ان کی یہ دیرینہ تمنا پوری کردی۔ یہی کچھ کشمیر کی لائن آف کنٹرول کے دونوں طرف ہو رہا ہے۔ دونوں ہی طرف مسلمان ہیں' وہی تباہ ہو رہے ہیں' بے گھر ہو رہے ہیں' بھوک اور پیاس سے تلملا رہے ہیں۔ صحیح ڈپلومیسی یہ ہے کہ ان دونوں طرف کے مسلمانوں کو ضرر پہنچائے بغیر مسئلے کا حل تلاش کیا جائے یا کم از کم اس ضرر کو جو ہمارے مشترکہ دشمن پہنچانا چاہتے ہیں کم سے کم تر کیا جائے۔

محمد ایوب منیر نے مشرقی تیمور کے حوادث کو صرف مغربی ذرائع ابلاغ کا کرشمہ قرار دیا ہے۔ گویا کہ سوہارتو' حبیبی اور درنتو کی فوجوں اور نیم فوجیوں کا اس میں کوئی ہاتھ نہیں ہے۔ یہی اندھا تعصب ہے۔ ہم کو رونے دھونے اور دوسروں کے سر ساری ذمہ داریاں ڈالنے کی عادت ہوگئی ہے کیونکہ ہم پہلے تو مسلمانوں کے "کارناموں" اور ان کے نتائج پر غور کرنا نہیں چاہتے ہیں اور نہ دوسروں ہی سے کچھ سیکھنا چاہتے ہیں۔ آخر نہرو نے بھی تو پرتگال سے گوا چھینا تھا اور وہ بھی فوجی قوت کے بل بوتے پر۔ کیا سوہارتو نے یہی کچھ یا اس سے ملتا جلتا کیا؟ اور ذرا پیچھے جایئے۔ جب سوہارتو نے مغربی تیمور آزاد کرایا' کیوں اسی وقت مشرقی تیمور بھی آزاد نہیں کرایا؟ ہالینڈ اور پرتگال دونوں ہی استعماری طاقتیں تھیں۔ ایسا کیوں نہ ہوا' یہی سوال غور طلب ہے؟ اب سارا انڈونیشیا پرسکون ہے' ورنہ کوئی تین چار برسوں سے خون خرابہ ہی ہوتا رہا ہے' کیا مشرقی تیمور میں کیا جکارتا میں!! پھر مشرقی تیمور ہی پر آنسو کیوں بہائے جارہے ہیں' کیا اس لیے کہ ہم کو غیر جمہوری نظاموں اور ان کے ذمہ دار اور کارندوں سے' بنی امیہ سے لے کر آج تک پیار نہیں تو انسیت ضرور ہوگئی ہے!! ہم اپنے حکمرانوں اور ان کے گماشتوں کے "سنہرے" کاموں کو دیکھنا اور ان کو ذمہ دار ٹھیرانا نہیں چاہتے ہیں بلکہ "بیرونی بکروں" کو بھینٹ چڑھانے کے لیے تلاش کرتے رہتے ہیں۔

عارفہ اقبال' کراچی

ماہ اکتوبر کا ترجمان القرآن پڑھا تو یوں لگا کہ یہ ہر ایک کو پڑھنے کے لیے دیا جا سکتا ہے۔ چنانچہ کافی تعداد میں مزید منگوائے۔ اگر ترجمان اسی طرح کا آتا رہا تو امید ہے کہ تین ماہ کی مہم کے دوران خریداروں کی تعداد ان شاء اللہ دگنی ہو جائے گی۔ اگر سلیس زبان استعمال کی جائے تو رسالہ ہر پڑھے لکھے فرد کی ضرورت بن سکتا ہے۔ فہم حدیث' تزکیہ و تربیت اور خواتین کی دل چسپی کی کوئی چیز ہر ماہ ضرور ہونا چاہیے۔ "اچھا شوہر" اگرچہ ہمیں یوں لگا تھا کہ ترجمان کی چیز نہیں ہے لیکن بہرحال خواتین نے دل چسپی لی اور جگہ جگہ اس کا تذکرہ سنا۔

☆ ترجمان القرآن نومبر ۱۹۹۹ کے شمارے میں آیت کو وَمَکَرَ اللّٰہُ پڑھا جائے (ص ۱۲ سطر ۲۰)' جب کہ لم تقولون (ص ۲۴ سطر ۱۶) کے بعد آیت کا نشان نہیں ہے۔

اشاریہ: "ترجمان القرآن" ۱۹۹۹

مرتبہ: شائستہ ہاشمی

حکمت مودودیؒ:

فہم قرآن:

فہم حدیث:

عبدالرحمٰن السدیس، الشیخ (ترجمہ: مزمل حسین کپاڈیہ) قبر اور آخرت کی تیاری		جنوری	۱۸ - ۲۴
عبدالمالک، مولانا	رمضان المبارک	جنوری	۱۵ - ۱۸
"	کلام نبویؐ کی کرنیں	مئی	۱۷ - ۲۰
"	کلام نبویؐ کی کرنیں	نومبر	۲۵ - ۲۸
"	کلام نبویؐ کی کرنیں	ستمبر	۲۱ - ۲۴
"	معروف مسانید اور کتب حدیث مختصر تعارف	مارچ	۱۹ - ۲۶
گوہر رحمٰن، مولانا	امام ابوحنیفہ کے فقہی اصول	فروری	۳۳ - ۴۷
محمد اسلام عمری	قرآن، تمثیلات نبویؐ میں	جولائی	۲۱ - ۲۴

تزکیہ و تربیت:

امام حسن البنا شہید (ترجمہ: عارفہ اقبال) وقت ہی زندگی ہے		جولائی	۲۵ - ۲۷
شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیری (مرتبہ: عبدالرشید صدیقی) اصلاح نفس کے طریقے		اپریل	۲۷ - ۳۰
"	دل کی بیماریوں کا علاج	نومبر	۲۹ - ۳۳
عبدالرشید صدیقی	موثر تربیت کے جدید تقاضے	جون	۲۹ - ۳۸
عبیداللہ فہد فلاحی، ڈاکٹر	معاصر اسلامی تحریکات کا نظام تربیت و تزکیہ (آخری قسط)	جنوری	۲۵ - ۳۴
محمد یوسف فاروقی، ڈاکٹر	کردار سازی اور اصلاح معاشرہ تعلیمات نبویؐ کی صحبت میں	فروری	۳۲ - ۳۳

دعوت و تحریک:

خرم مراد (تدوین: سلیم منصور خالد) حکمت دین: مفہوم، تقاضے اور بنیادی اصول		مارچ	۳۹ - ۴۹
عبدالمالک، مولانا	نظام اسلامی کی جدوجہد	اکتوبر	[illegible] - ۴۶
نذیر احمد، ڈاکٹر	دعوت کی عملی جہت	دسمبر	

اخبار امت:

اعجاز شفیع گیلانی، ڈاکٹر	اکیسویں صدی میں امت مسلمہ کو درپیش چیلنج	جنوری	۳۶ - ۴۳
حامد عبدالرحمٰن الکاف	نئے سوڈانی دستور کا ایک مطالعہ	اگست	۴۹ - ۵۷
رمزی براوٗد (ترجمہ: مسلم سجاد) عراقی مسلمانوں کی حالت زار		جولائی	۵۳ - ۵۶
سمیع الحق شیرپاؤ	اردن میں اسلامی قوتوں کی کامیابی	ستمبر	۶۹ - ۷۰
ظہیرالدین بھٹی، محمد	تیونس میں اسلام کی حالت زار	نومبر	۵۹ - ۶۴
مسلم سجاد	مصر میں اخوان پر نئے مظالم کا سلسلہ	دسمبر	۶۱ - ۶۳

یاد رفتگاں:

عالم نسواں:

اسلامی تحریکیں:

سیرت النبیؐ:

اسلام اور مغرب:

مطالعہ کتاب:

پاکستانیات:

اسلامی نظام حیات:

رسائل و مسائل:

کتاب نما:

مارچ ۷۹-۸۰۔ ○ حضرت بلالؓ کے دیس میں از حافظ محمد ادریس، اپریل ۸۲-۸۳۔ ○ دیدبان از اسد فیض، دسمبر ۷۴۔ ○ رسائل و مسائل کامل (فارسی) از سید ابوالاعلیٰ مودودی، مئی ۸۴-۸۵۔ ○ سعید پارے (مرتبہ: مسعود احمد برکاتی) جولائی ۸۴۔ ○ سوئے حرم چلا از جلال الدین عمری، اکتوبر ۸۲۔ ○ شعر و فکر اقبال از ڈاکٹر اسلم انصاری، نومبر ۸۱-۸۲۔ ○ شمائل کبریٰ (اول) از مفتی محمد ارشاد بہاول پوری، دسمبر ۷۴ ○ قرطاس اقبال از پروفیسر محمد منور، اپریل ۸۱-۸۲۔ ○ قائداعظم کا تصور پاکستان اور ان کے اقوال از رضوان احمد، جنوری ۸۱-۸۲۔ ○ قائداعظم محمد علی جناح سیاسی و تجزیاتی مطالعہ، مارچ ۸۲-۸۳۔ ○ کتاب النباتات از حکیم منیر احمد قریشی، جنوری ۸۳۔ ○ کھوٹہ سے چاغی تک از فیضان اللہ خان، جولائی ۷۵-۷۷۔ ○ نقوش قرآن نمبر، مدیر جاوید طفیل، مارچ ۷۷-۷۸۔ ○ نونہال خاص نمبر بہ یاد شہید پاکستان حکیم محمد سعید مدیر اعلیٰ: مسعود احمد برکاتی، نومبر ۸۲۔ ○ Da'wah Europe Year Book of از لطف الرحمٰن فاروقی، اکتوبر ۸۰۔

زبیدہ جبیں	مجلہ حریم (مجلس ادارت: بشریٰ تسنیم، روبینہ ناز، شاہدہ اکرام)	مارچ ۸۳-۸۴
سلیم منصور خالد	○ اسلامی کلچر از محمد مارماڈیوک پکتھال (ترجمہ: پروفیسر محمد ایوب منیر)، جون ۸۳-۸۴۔ ○ بابری مسجد سے دست برداری شرعاً جائز نہیں، از عبدالعلیم اصلاحی، فروری ۸۱-۸۲۔ ○ پاکستانی جامعات میں عربی زبان و ادب اور علوم اسلامیہ میں تحقیق از سفیر اختر، جون ۷۸-۷۹۔ تصانیف مودودی، مرتبہ: رفیع الدین ہاشمی، دسمبر ۶۹-۷۰۔ ○ خودنوشت افکار سید از سرسید احمد خاں، جولائی ۷۷-۷۹۔ ○ ڈاکٹر غلام جیلانی برق کے خطوط، مرتبہ: عبدالعزیز ساحر، ستمبر ۸۳۔ ○ سید مودودی اور ماہ نامہ "معارف" مرتبہ سفیر اختر، نومبر ۷۹-۸۰۔ ○ کشمیر: حقائق کے آئینے میں از منیر احمد بخاری، اکتوبر ۸۲۔ ○ کشمیر میں تحریک مزاحمت از ڈاکٹر طاہر امین، مترجم: عبداللطیف الفت، اپریل ۷۹-۸۰۔ ○ کیا امریکہ جیت گیا؟ مرتبہ محمد متین خالد، اکتوبر ۷۹-۸۰۔ ○ ہلال و صلیب نیا معرکہ از شفیق الاسلام فاروقی، اگست ۸۱-۸۲۔ ○ Historical Sikh Shrines in Pakistan از اقبال قیصر، جولائی ۸۰-۸۲۔ ○ Pakistan Chronology 1947-97 (پاکستان ماہ و سال کے آئینے میں ۱۹۴۷-۹۷) از جاوید اقبال غوری، جون ۷۹-۸۱۔	
طاہر مبین عاصم	تحریک علی گڑھ تا قیام پاکستان و قرارداد مقاصد از ڈاکٹر ایچ بی خان	جون ۸۱-۸۳
عبدالحمید ڈار	اسلام اور سودی نظام از محمد آصف احسان	فروری ۷۹-۸۰
	اسلام کی عادلانہ اقتصادی تعلیمات از محمد طاسین	دسمبر ۷۴
عبدالعزیز ساحر	طریقت کی حقیقت از غلام علی	ستمبر ۸۰-۸۲
عبدالمالک، مولانا	برصغیر میں مطالعہ قرآن (فکر و نظر کا خصوصی شمارہ)	ستمبر ۷۸

عبداللہ شاہ ہاشمی	اقبال اور مودودی کا تقابلی مطالعہ از عمر حیات خاں غوری، نومبر ۷۷-۸۷۔ ○ ملک لوٹنے والے چہرے از افضال مظہر راٹھور، جنوری ۸۳-۸۴		
عبدالقدیر سلیم، پروفیسر	شیخ سرہند، مرتب: جمیل اطہر سرہندی	ستمبر	۷۷-۷۸
محمد ایوب منیر	اسلام یہ ہے از محمد الغزالی (ترجمہ: ابو مسعود اظہر ندوی) مئی ۸۵-۸۶۔ ○ عصر حاضر کی جہادی تحریکیں از محمد شفیع ملک، اگست ۸۲-۸۳۔ ○ قادیانیت سے اسلام تک از محمد متین خالد، فروری ۸۰-۸۱۔ ○ قیام و دوام پاکستان از پروفیسر مہر محمد نواز خان، جنوری ۸۲۔ ○ لذت فریاد از علامہ عنایت اللہ، فروری ۷۸-۷۹۔ ○ Islam in Modern Age از ڈاکٹر خالد محمود شیخ، دسمبر		
محمد سجاد تترالوی، حافظ	پیغمبرانہ منہاج دعوت از ڈاکٹر خالد علوی نومبر ۸۰-۸۱۔ ○ حجیت سنت از عبدالغنی، عبدالخالق مترجم: محمد رضی الاسلام ندوی، مارچ ۸۰-۸۱۔		
محمد عبداللہ صالح	اسلامی شریعت کے بنیادی معاشی تصورات از سید معروف شاہ شیرازی، فروری ۸۲-۸۳۔ ○ قرآن حکیم میں نظم و مناسبت از ڈاکٹر عبید اللہ فہد فلاحی، جون ۷۷-۷۸۔		
محمود احمد غازی، ڈاکٹر	تاریخ نفاذ حدود از ڈاکٹر نور احمد شاہتاز	مئی	۸۳-۸۴
مسلم سجاد	الصلوٰۃ والسلام علی رحمۃ للعالمین مرتبہ: رشید اللہ یعقوب، فروری ۷۷۔ ○ الصلوٰۃ والسلام علی رحمۃ للعالمین (حصہ دوم) مرتبہ: رشید اللہ یعقوب، جولائی ۸۲۔ ○ بچوں کی لائبریری از مقصود احمد، اگست ۸۳-۸۴۔ ○ پیام لطیف از پروفیسر آفاق صدیقی، اقوال چچل از پروفیسر آفاق صدیقی، دانش ایاز از آصف فرخی (تحقیق و ترجمہ) فروری ۸۳-۸۴۔ ○ حرمین شریفین کی فضاؤں میں از گوہر ملسیانی، اگست ۸۱۔ ○ محسن انسانیت از نعیم صدیقی، فروری ۷۷۔ ○ مسلمان اور امامت کبریٰ از صدر الدین اصلاحی، اگست ۸۴۔ ○ مطالعہ قرآن ایک نظر میں از یعقوب سروش، مئی ۶۸-۸۷۔ ○ یا ساری الجبل از اسرار عالم، دسمبر ۷۰-۷۲ ○ Words of Mohammad (peace be upon him) in His Own مرتبہ غوث محی الدین، اگست ۸۴۔		
مشتاق الرحمن صدیقی، ڈاکٹر	تعلیم کے بنیادی مباحث از ڈاکٹر وحید قریشی	مارچ	۸۱-۸۲

متفرق:

جمیل جالبی، ڈاکٹر	سائنسی ترقی کا نصب العین، عہد حاضر کا ایک بنیادی مسئلہ	اگست	۳۹-۴۶
شائستہ ہاشمی	اشاریہ "ترجمان القرآن" ۱۹۹۹	دسمبر	۷۷-۸۶
عبدالحمید صدیقی	استبدادی طرز حکومت	مئی	۲۰-۳۰
ہارون الرشید	اکیسویں صدی کے تقاضے	جولائی	۲۹-۴۰

13 رہائشی منصوبوں کی شاندار کامیابی کا حامل اور آپکے کامل اعتماد کا مظہر

پمفلٹ مفت منگوائیں

احباب گروپ آف کمپنیز

اسلام آباد میں 3	مری میں 3	لاہور میں 7

فیروزپور روڈ پر چونگی امر سدھو سے 2 کلو میٹر ایل ڈی اے سے منظور شدہ

اسلام آباد سے متصل مرگلہ ہلز کے حسین دامن میں ایک نیا نئپزیر شہر

منظر کوہسار

ہاؤسنگ اینڈ وفزیکل پلاننگ حکومت پنجاب اور ڈسٹرکٹ کونسل راولپنڈی سے منظور شدہ، سڑکیں، سیوریج، بجلی، پانی، سکول، کمیونٹی سنٹر، قبرستان، مسجد، ہسپتال اور خوبصورت جھیل۔ ترقیاتی کام تیزی سے جاری ہے

موٹر وے انٹرچینج اور مجوزہ ایئر پورٹ سے صرف 8 کلومیٹر کے فاصلہ پر ہونے کی وجہ سے اس جگہ کی اہمیت بہت بڑھ گئی ہے اسکیم کا بجلی کا ڈیزائن پاس ہو چکا ہے

شاداب کالونی

کشادہ سڑکیں، خوبصورت پارکیں، مسجد، ڈسپنسری، سکول، مارکیٹیں، ٹیلیفون، اور سوئی گیس کی سہولت موجود، سکول کالج اور بڑے ہسپتال قریب تر، ترقیاتی کام آخری مراحل میں ہیں۔ کنال 500 مربع گز

گیلانی پارک

شاداب کالونی فیروز پور روڈ لاہور کے بلاک اے سے ملحق بہترین رہائشی منصوبہ جو تقریباً پایہ تکمیل تک پہنچ چکا ہے۔ بجلی لگ چکی ہے۔ شاداب کالونی تمام سہولیات کیساتھ صرف 5 مرلہ اور 10 مرلہ پلاٹس برائے بکنگ

قیمت وطریقہ ادائیگی

قیمت 35 ہزار روپے فی مرلہ مگر 31 دسمبر 1999ء تک بکنگ کرانے والوں کو 10 مرلے پر تیس ہزار روپے اور ایک کنال پر ایک لاکھ روپے کی عظیم رعایت، بکنگ کے لیے صرف 5 ہزار روپے فی مرلہ کا ڈرافٹ بنام احباب ہاؤسنگ سوسائٹی پرائیویٹ لمیٹڈ UBL وحدت روڈ اکاؤنٹ نمبر 1550 باقی رقم 36 ماہ میں 12 سہ ماہی قسطوں کی صورت میں ادا کرنا ہو گی۔ یک مشت ادائیگی پر 5 فیصد رعایت

احباب ہاؤسنگ سوسائٹی پرائیویٹ لمیٹڈ

بٹ ہاؤس A-1 فیض روڈ مسلم ٹاؤن لاہور، فون 5865371-5869549 فیکس: 5837016
E-Mail : ahbab@nexlinx.net,pk
کراچی میں رابطے کے لیے: ایس ایم رضوی، C/43، بلاک 6، فیڈرل بی ایریا، کراچی۔ فون نمبر: 672903

حسین فاروق مودودی نے ملک عید محمد پرنٹرز سے چھپوا کر 5۔اے ذیلدار پارک 'اچھرہ' لاہور سے شائع کیا

قارئین کرام!

اشاعت میں اضافے کی جو مہم اکتوبر سے شروع کی گئی تھی' دسمبر اس کا آخری مہینہ ہے۔ اب تک آپ میں سے جس کسی نے بھی' جس طرح بھی اس مہم میں حصہ لیا ہے' ہم اس کے ممنون ہیں۔ یقیناً اس نے ایک صدقہ جاریہ میں حصہ لیا ہے اور اللہ سے اپنے لیے اجر لازم کروا لیا ہے۔

لیکن جو ابھی تک کوئی حصہ نہیں لے سکے' ان سب سے ہماری گزارش ہے کہ اس ماہ کوئی نہ کوئی عملی حصہ ضرور لیں۔ آپ کی جانب سے ایک خریدار یا قاری کا اضافہ' ہماری کل اشاعت میں اتنے اضافے کا موجب ہو گا کہ آپ خود اپنے پیغام کو طاقت ور محسوس کریں گے۔ مشترک اور منظم بیک وقت کوشش کی اپنی برکت ہوتی ہے۔

ڈنمارک میں ہمارے ایک قاری سید عرفان گیلانی نے وہاں کے رسالے پندرہ روزہ وقار میں پاکستانیوں سے خریدار بننے کی اپیل ان الفاظ میں شائع کی:

> مجھ سے پوچھا جائے کہ تمھاری محسن کتاب کون سی ہے؟ تو کئی کتابوں پر نظر ڈال کر آخر میں دل سے صدا آتی ہے: ماہنامہ ترجمان القرآن۔ الاستاذ خرم مرادؒ نے سید مودودیؒ کے ترجمان کو نئے اور جدید قالب میں ڈھالا۔ آج یہ تاریخی رسالہ عالم اسلام اور پاکستان کی قد آور شخصیت پروفیسر خورشید احمد کی زیر ادارت ہے۔ اس دیدہ زیب رسالے کا حسن حقیقی یہ ہے کہ اس میں ہر فکر کے افراد کی تحریریں شامل ہوتی ہیں۔ ایک بڑا اور اہم پہلو یہ ہے کہ اکثر مضامین کی زبان نہایت سلیس اور سادہ ہوتی ہے۔
>
> یہ اپنی نوعیت کا سب سے زیادہ شائع ہونے والا رسالہ ہے لیکن اس کی واقعی اشاعت' اس کی امکانی اشاعت سے بہت کم ہے۔ مستقبل کا یہ راہنما رسالہ ہر گھر کی ضرورت ہے۔ بیرون ملک پاکستانیوں کو ضرور اس کا مطالعہ کرنا چاہیے۔ آیئے ہم سب مل کر اپنے اپنے حصے کا کام کریں۔

ترجمان القرآن

تحفہ رمضان' تحفہ عید

اضافہ اشاعت کی مہم میں حصہ لیجیے

خریدار بنائیے' بطور ہدیہ و تحفہ جاری کروائیے

رمضان المبارک اور عید الفطر کے موقع پر کسی رشتہ دار' عزیز' دوست' ساتھی کے نام سال بھر کے لیے ترجمان القرآن جاری کروانے سے بہتر تحفہ کیا ہو سکتا ہے!

۱۵۰ روپے ارسال کیجیے' ہم خوب صورت گفٹ کارڈ پر آپ کا نام لکھ کر (یا آپ اپنے کارڈ ارسال کر دیں تو وہ لگا کر) ۱۲ ماہ کے لیے علم و حکمت کے اس خزانے کو جاری کر دیں گے

مینیجر' ترجمان القرآن ۵-اے' ذیلدار پارک' اچھرہ' لاہور- فون : 7585590 - 7587916

بہت سادہ اور آسان بات ہے

کہنے میں تو بہت ہی آسان ہے

ہر قاری' ترجمان القرآن کا ایک نیا قاری بنا دے

ہماری اشاعت دگنی ہو جائے گی

ترجمان کا پیغام دگنے افراد تک پہنچے گا

کیا یہ کرنے میں بہت ہی مشکل ہے؟

اس مبارک مہینے میں ایک خریدار بنا دیجیے

(اور ۷۰ خریدار بنانے کا ثواب لیجیے)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

محترم مینیجر صاحب' السلام علیکم!

ازراہ کرم' درج ذیل پتوں پر ترجمان کا نمونے کا پرچہ / تعارفی بروشر ارسال کر دیں۔ امید ہے کہ یہ خریدار بن جائیں گے۔ نام ____________________

پتا ____________________________________

نام ____________________________________

پتا ____________________________________

شہر / مقام ______________ | | | | | |

نام ____________________________________

پتا ____________________________________

شہر / مقام ______________ | | | | | |

نام ____________________________________

پتا ____________________________________

شہر / مقام ______________ | | | | | |

نام ____________________________________

پتا ____________________________________

شہر / مقام ______________ | | | | | |

محترم مینیجر صاحب' السلام علیکم!

میں ماہ ________ سے سالانہ خریدار بننا چاہتا / چاہتی ہوں۔ مطلوبہ رقم ________

بذریعہ بنک ڈرافٹ / منی آرڈر ارسال ہے / کا وی پی کر دیجیے

نام ________

پتا ________

شہر / مقام ________ ☐☐☐☐☐

محترم مینیجر صاحب' السلام علیکم!

درج ذیل پتے پر ایک سال کے لیے میری جانب سے بطور ہدیہ جاری کر دیجیے۔ -/150 روپے

بذریعہ بنک ڈرافٹ / منی آرڈر ارسال ہیں۔

بھیجنے والے کا نام ________

پتا ________

نام ________

پتا ________

شہر / مقام ________ ☐☐☐☐☐

اندرون ملک:

1 سال	Rs.150
2 سال	280
3 سال	420

بیرون ملک

	1 سال	2 سال	3 سال
1- بھارت	Rs.300	Rs. 590	Rs. 870
2- بنگلہ دیش' ایران	450	880	1320
3- مشرق وسطیٰ' یورپ مشرق بعید' افریقہ	650	1280	1920
4- امریکہ' کینیڈا' آسٹریلیا	900	1780	2670

- بیرون لاہور بنک کے چیک میں 52 روپے کا اضافہ کر دیجیے۔
- بیرون ملک کے بنک کے چیک ارسال نہ کیے جائیں۔

یہ ورق جدا کر کے لفافے میں رکھ کر ٹکٹ چسپاں کر کے حوالہ ڈاک کر دیجیے۔

مینیجر ماہنامہ ترجمان القرآن' اے-5 ذیلدار پارک' اچھرہ' لاہور۔

زخمی، معذور اور بیمار مجاہدین، مہاجرین کا ادارہ

کشمیر سرجیکل ہسپتال

زیر اہتمام: پاکستان اسلامک میڈیکل ایسوسی ایشن

- اکتوبر 1990 سے جون 1999 تک 360000 ہزار مریضوں کا مفت اور مکمل علاج کیا گیا۔
- 1000 سے زائد افراد کو مستقل معذوری سے بچا لیا گیا۔ (الحمد للہ)
- تمام مہاجرین اور عسکری تنظیموں کے مجاہدین کا مکمل اور مفت علاج کیا جا رہا ہے
- کشمیر سرجیکل ہسپتال کے تحت متحدہ جہاد کونسل میں شامل تمام تنظیموں کے کیمپوں 60 فرسٹ ایڈ سنٹر کام کر رہے ہیں
- روزانہ 250 سے 350 مریضوں کو مفت طبی امداد فراہم کی جاتی ہے
- ہسپتال کے زیر اہتمام مہاجرین کے کیمپوں میں چار مستقل ڈسپنسریاں اور چار ایمبولینس گاڑیاں ہمہ وقت مصروف کار ہیں جبکہ کیمپوں میں چار نئی ڈسپنسریاں قائم کی جا رہی ہیں۔
- مظفر آباد اور کوٹلی میں چار ایمبولنس گاڑیاں ہمہ وقت مصروف کار ہیں
- دو نئے وارڈ کی تعمیر جاری ہے
- معذور مجاہدین اور مہاجرین کو 800 سے زائد مصنوعی اعضاء لگائے گئے

کیا آپ کا بھی اس میں کوئی حصہ ہے



خوش نصیب ہے جو گھر بیٹھے

★ غزوہ ہند میں شریک ہے ★ اپنی ملت کی زخمی شہ رگ سے بہتے لہو پر مرہم رکھ رہا ہے ★ زخمی و معذور مجاہدین و مہاجرین کی خدمت اور عیادت کا ثواب حاصل کر رہا ہے ★ عظیم ملی فریضے کی ادائیگی کر رہا ہے

اور رسول ﷺ سے جنت کی بشارت پا رہا ہے (الحدیث) اور جو اس سے محروم ہے وہ یقیناً بہت ہی محروم ہے

آپ نقد عطیات کے علاوہ ادویات کی صورت میں بھی مدد کر سکتے ہیں

اکاؤنٹ نمبر 1128
بنک آف پنجاب
مظفر آباد آزاد کشمیر

تعاون کے لیے

ڈاکٹر محمود حسین کیانی (میڈیکل سپرنٹنڈنٹ)
کشمیر سرجیکل ہسپتال پولٹری فارم روڈ مظفر آباد آزاد جموں کشمیر
فون: 058810-3700



C.P.L. 236

Phone : 7587916
7585590

Monthly **TARJUMAN-UL-QURAN** LAHORE.

